من لم يعرف المنطق فا تقفة له فی العلوم اصليلاً (امام غزالیؒ)

تسہیل المنطق
علی
تیسیر المنطق

افادات

حضرت مولانا **شیخ نذیر احمد** دامت فیوضھم

استاذ الحدیث والفنون جامعہ دار العلوم الاسلامیہ، لاہور

پسند فرمودہ

ولی کامل استاذ العلماء مولانا **مفتی محمد حسن** دامت برکاتھم

صدر مدرس جامعہ محمدیہ، چوبرجی لاہور

مرتب

حافظ **میاں عبدالرحمٰن** بالاکوٹی

فاضل جامعہ دار العلوم الاسلامیہ، لاہور
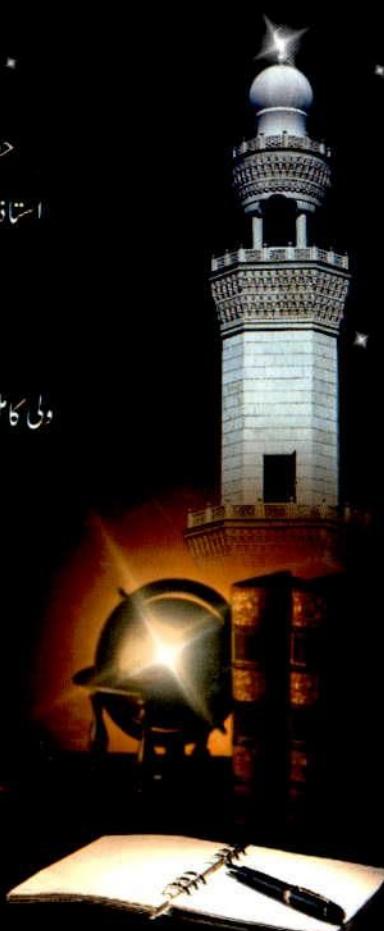
من لم يعرف المنطق فلا ثقفة له في العلوم اصلاً (امام غزالیؒ)

تسہیل المنطق

علی

تیسیر المنطق

افادات

حضرت مولانا **شیخ نذیر احمد** صاحب دامت فیوضہم
استاذ الحدیث والفنون جامعہ دار العلوم الاسلامیہ، لاہور

پیش لفظ و نظرثانی

ولی کامل استاذ العلماء حضرت مولانا **مفتی محمد حسن** صاحب دامت برکاتہم العالیہ
صدر مدرس جامعہ محمدیہ، چوبرجی لاہور

ترتیب

حافظ میاں عبد الرحمٰن بالاکوٹی
فاضل جامعہ دار العلوم الاسلامیہ، لاہور

دار الکتاب لاہور

نام کتاب:	تسہیل المنطق علی تیسیر المنطق
افادات:	حضرت مولانا شیخ نذیر احمد صاحب
ترتیب وتدوین:	حافظ میاں عبدالرحمٰن بالاکوٹی
ناشر:	دارالکتاب، اردو بازار لاہور
طابع:	علی فرید پرنٹرز، لاہور
اشاعت اول:	جنوری ۲۰۱۰ء
قیمت:	

باہتمام

حافظ محمد ندیم

0300-8099774

رابطہ

دارالکتاب

کتاب مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار لاہور، 042-37235094

E-Mail:darulkitab.lhr@gmail.com

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست

انتساب

اپنے پیارے اللہ جل جلالہٗ وعم نوالہٗ، سید الانبیاء، خاتم المرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اورآپ کے پیارے جانثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور مشفق ومہربان اساتذہ کرام اوروالدین کے نام کرتا ہوں۔

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت ومحبت اورصحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دین متین کے ابلاغ کے لیے مساعیٔ جمیلہ کے صدقے اوراساتذہ ووالدین کی خصوصی دعاؤں سے ہی یہ سب کچھ لکھنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست　　　تانہ بخشد خدائے بخشندہ

حافظ میاں عبدالرحمٰن بالاکوٹی

فاضل ومتخصص جامعہ دارالعلوم اسلامیہ، لاہور

تقریظ ودُعائیہ کلمات

ازامام الصرف والنحو ولی کامل حضرت مولانا محمد حسن صاحب مدظلہ العالی

استاذ حدیث جامعہ مدنیہ جدید وصدر مدرس جامعہ محمدیہ چوبرجی، لاہور

باسمہ تعالیٰ

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم .

امابعد! ہمارے نیک اور مخلص عزیز مولانا عبدالرحمٰن صاحب زیدمجدھم نے اپنے استاذ محترم، استاذ الحدیث جامع المعقول والمنقول مولانا نذیر احمد صاحب دامت برکاتہم کے علمِ منطق میں مبتدی طلباء کو پڑھائی جانے والی مشہور درسی کتاب ''تیسیر المنطق'' کے درسی استفادات کو بڑی محنت سے مرتب کیا ہے۔ اللہ پاک کی بارگاہ میں التجاء ہے ہمارے نیک بھائی کی اس مبارک کاوش کو اپنی بارگاہ قدسی میں قبول فرمائے اور دارین میں اپنی رضاوخوشنودی کے حصول کا ذریعہ بناوے۔ آمین!

محتاجِ دعا

(مفتی) محمد حسن عفی عنہم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ ودُعائیہ کلمات

از استاذ الفنون حضرت مولانا رشید احمد تھانوی دامت برکاتہم

مدرس ونگران شعبۂ تخصص فی القراءت دار العلوم الاسلامیہ، لاہور

قاری عبدالرحمٰن ہمارے جامعہ کے ان فضلاء میں سے ہیں جو اساتذہ کی نظرِ انتخاب کے اولین مستحق ٹھہرتے ہیں۔ حضرت قاری احمد میاں تھانوی صاحب نے ان کو تخصص فی قراءات کے دوران چند اسباق میں بطور معاون استاد مقرر فرمایا۔ انہوں نے منطق کے سبق کے دوران حضرت مولانا نذیر احمد صاحب کے افادات کو ایک خوبصورت ترتیب دے کر جمع کر دیا ہے، جس سے ایک مستقل شرح وجود میں آگئی ہے۔ بلاشبہ یہ ایک طالبعلمانہ کاوش ہے لیکن مبتدی طلباء کو منطق مُشکل مباحث سمجھنے میں ایک بہترین مددگار ثابت ہوسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو شرف قبولیت عطاء فرمائے۔ آمین!

(مولانا) رشید احمد تھانوی

مدرس جامعہ دار العلوم الاسلامیہ لاہور

پیش گفتار

اسلام صداقت آمیز تعلیمات کا حامل، آخری الہامی دین ہے جسے اس کے نازل کرنے والے رب کریم نے انسانوں کے لیے پسند فرمایا ہے۔ جس عظیم ہستیؑ کے ذریعے یہ دینِ متین انسانوں تک پہنچا انہیں پیغمبر اعظم و آخرؐ کے بلند مرتبت منصب پر فائز کیا گیا اور کتاب وحکمت کی تعلیم اور تزکیہ وتربیت کے امور کو ان کے منصبِ رسالت کے فرائض قرار دیا گیا۔ ڈاکٹر حمید اللہ کے بقول: ''نبیؐ اُمی صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پہلے جو خدائی حکم ملتا ہے وہ یہ ہے:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ ۝ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۔ (العلق ۱ تا ۵)

ان آیات مبارکہ میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھنے کا حکم دیا جاتا ہے اور پھر پڑھنے کی اہمیت بھی اس وحی میں بیان کر دی جاتی ہے۔ یعنی یہ کہ قلم ہی وہ واسطہ ہے جو انسانی تہذیب وتمدن کا ضامن اور محافظ ہے۔ اسی ذریعے سے انسان دیگر چیزیں سیکھتا ہے جو کہ اسے معلوم نہیں ہوتیں۔

انسانی علوم اور دیگر مخلوقات خاص کر جانوروں کے علم میں سب سے نمایاں فرق یہی ہے کہ حیوانات کا علم محض جبلّی ہوتا ہے اسی لیے اس میں اضافہ نہیں ہوتا۔ اس کے برخلاف انسانی علم صرف جبلّی ہی نہیں ہوتا بلکہ کسبی بھی ہوتا اور اس میں روزانہ [illegible] ہتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم اپنے آباء واجداد، اپنے اسلاف کرام،

اپنے اساتذہ عظّام کے تجربات سے بھی فائدہ اٹھاتے ہیں اور اپنے ذاتی تجربوں سے بھی اپنے علم میں اضافہ کرتے رہتے ہیں اور پھر اپنا یہ سارا علم اپنی آئندہ نسلوں کو منتقل کر دیتے ہیں۔

دینی علوم کی حفاظت اور ان کی ترویج واشاعت کے لیے دینی مدارس کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔ غیر دینی اقدار کے ابلاغ وفروغ، مغربی فکر وفلسفہ اور لادین نظریات کے بڑھتے ہوئے خطرناک رجحان کے اس دور میں دینی مدارس کے نظام کے استحکام واستقلال کی ضرورت مزید دوچند ہوگئی ہے۔ تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ امت مسلمہ کے ارباب علم وحکمت نے علوم وفنون کی نشر واشاعت میں غیر معمولی کارہائے نمایاں سرانجام دیے ہیں اقوام عالم کی تہذیبوں، دنیا بھر کے مذاہب، فلاسفۂ عالم کے افکار اور مختلف مکاتب فکر کے عمیق مطالعے سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہوتی ہے کہ اسلام کے سوا دیگر ادیان ومذاہب اور نظامہائے فلسفہ کی رو سے علم کا حصول انسانوں کے بعض مخصوص طبقات تک محدود ومنحصر تھا اور عوام الناس کی ایک بڑی اکثریت علوم وفنون کے اخذ واکتساب کے حق سے محروم تھی۔ حتیٰ کی فلاسفۂ یونان کے گل سرسبد افلاطون کا نظامِ فکر وفلسفہ بھی نوع انسانی کے کئی طبقات کو حصول علم کا حق دینے کا روادار نہیں تھا۔

یہ شرف وامتیاز اور اختصاصی وصف صرف اور صرف سید کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی آفاقی وعالمگیر شریعت مطہرہ کو حاصل ہے کہ اس کے تصدق صغیر وکبیر، ابیض واسود، عربی وعجمی، سرخ وسپید، ادنیٰ واعلیٰ، بندہ وآقا، سلاطین ورعایا، آجر واجیر، امیر وغریب، شاہ وگدا گویا جمیع شعبہ ہائے حیات کے مرد وزن کے

لیے حصول علم کے راستے کشادہ ہوگئے۔ تاریخ عالم کی یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ساری دنیا کے ظلوم وجہول انسانوں پر علوم و معارف کے اخذ واکتساب کی راہیں اسی دینِ حق کی جلوہ افروزی کے باعث کھلیں۔ معلّم اخلاق ﷺ کی بعثت مطہرہ سے دین متین کا آفتابِ علم وحکمت کچھ اس شان سے طلوع ہوا کہ ظلمت و جہالت کی تاریکیاں چھٹ گئیں اور علم وعرفان کی بارانِ رحمت کے باعث ضلالت وگمراہی کی آندھیوں سے بنجر ہوجانے والی دھرتی سرسبز وشاداب ہوگئی۔

آج پوری دنیا کے اندر جس قدر بھی علم وحکمت، علوم ومعارف، فلسفہ ودانش، سائنس وٹیکنالوجی، جدید طبی، سیاسی، معاشی، اقتصادی، نفسیاتی اور نوع بہ نوع دیگر علوم وفنون کی جگمگاہٹیں اور ضیاپاشیاں پائی جاتی ہیں اسے دین حق کے سراجِ منیر ﷺ کے انوار کا پرتو اور عکس ہی قرار دیا جاسکتا ہے۔ اسلام کے یومِ اوّل سے لے کر آج تک امتِ مرحومہ کے اسلافِ عظّام، علمائے کرام، محدثین عظام اور دانشورانِ اسلام نے علوم ومعارف کے فروغ، دین حق کے ابلاغ، اور علم وحکمت کی ترویج واشاعت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا بلکہ بلا کسی ادنیٰ انقطاع کے بعثت نبوی ﷺ کے عہد باسعادت سے لے کر تادمِ ایں اربابِ علم وفضل، علم ودانش کے چراغ مسلسل جلاتے چلے آئے ہیں۔ اور یہ سلسلۂ زریں قیامت تک رب کریم کے فضل وکرم سے اسی طرح بدستور جاری رہے گا۔ ان شاء اللہ!

اسی روشن ومستنیر سلسلے کی ایک کڑی یہ "تسہیل المنطق علی تیسیر المنطق" بھی ہے۔ اس کے فاضل مرتب مولانا عبدالرحمٰن صاحب مدظلہ العالی، سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخی اور مردم خیز سرزمین بالاکوٹ سے تعلق

رکھنے والے ایک نہایت سنجیدہ ومتین، علم وتحقیق کے خُوگر، پاکیزہ فکر کے حامل، عالمِ باعمل، اور شباب اور جوانی کی عمر میں اخلاص وللّٰہیت کے پیکرِ مجسم ہیں کہ ربِّ قدیر و رحیم نے جن کی زبان اور گفتگو میں تاثیر ودیعت فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں حق بات کہنے کی جرأت بھی بخشی ہے۔

انہوں نے ایک سعادت مند شاگرد کی حیثیت سے اپنے گرامی قدر استاذ حضرت مولانا شیخ نذیر احمد دامت فیوضہم کے امالی وافادات کو مرتب کیا ہے۔ یہ گویا ایک لائق شاگرد کا اپنے استاذ محترم کی خدمت میں نذرانہ عقیدت اور خراج تحسین ہے جو یقیناً ان کی فرماں برداری، اطاعت گزاری، پاک باطنی، نیک نفسی اور سعادت مندی کی بَین دلیل ہے۔ ان کے بارے میں یہ میرا فطری اور بدیہی احساس ہے اور اس میں کسی نوع کے مبالغے کا دخل قطعی نہیں۔ میری ان سے شناسائی چند مہینے قبل ہوئی اور اس کی تقریب کہ یہ ہوئی یہ خاکسار خانہ بدوش اس محلّے (کریسنٹ ٹاؤن نزد ملتان چونگی) میں ۱۵ جون ۲۰۰۹ء سے کرائے کے مکان میں رہائش پذیر ہوا ہے، اس محلے کی جامع مسجد "انوار مدینہ" کے پیش امام اور خطیب کے منصب پر آپ فائز ہیں۔

میں نے یہ سطور لکھ کر خام حالت میں جب انہیں بغرضِ مطالعہ دیں تو انہوں نے اپنی طبعی عاجزی وانکساری کے ساتھ کہا کہ ان سطور کو قلم زد کر دو۔ جبکہ میں اپنے اصرار کے ساتھ ان سطور کو محض اس لیے شریکِ اشاعت کر رہا ہوں کہ عصرِ حاضر کے پُرفتن ماحول ایک نوجوان عالم باعمل کی تصویر بطور مثال لوگوں کے سامنے آئے اور ان کی ذات خیر اور بھلائی کے فروغ کے لیے مشعل راہ ثابت حالانکہ وہ خود تو مجھ سے

بار بار کہتے رہے کہ:

من آنم کہ من دانم

چنانچہ انہوں نے اپنے استاذ کے افادات کو مرتب کر کے انہوں نے ان کے فیضان علم و دانش کو اگلی نسلوں تک منتقل کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ درسِ نظامی کے نصاب میں ''منطق'' کا مضمون نہایت وقیع اہمیت رکھتا ہے۔ عصری علوم میں بھی کسی طرح اس کی افادیت اور ضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ انسان کا جانور سے ممیز ہونا ''نطق'' کی صلاحیت کے باعث ہے۔ نطق وکلام انسان کا شرف اختصاصی ہے کہ اسی سے وہ اپنے مدعا ومقصود اور اپنے مافی الضمیر کا اظہار بہ طریقِ احسن کر پاتا ہے۔ منطق (Logic) کے علم وفن سے انسان اپنے مخاطب کو دلیل و برہان سے قائل کرتا ہے۔

''تسہیل المنطق'' میں مولانا کے استاذ گرامی کے زندگی بھر کے مطالعے، تجربے کا مغز اور کی مدرسانہ حکمت وبصیرت کا نچوڑ ہے جسے مرتب وشائع کر کے انہوں نے ایک نہایت گراں مایہ علمی خدمت سرانجام دی ہے۔ مبتدی طلباء کے لیے آسان پیرائے میں مرتب کردہ اس کتاب کی اہمیت روز روشن کی طرح مبرہن ہے۔ میں نے ایک مرتبہ بہ نظر تعمق اس کتاب کا مطالعہ کیا ہے اور اپنی ناقص عقل کے مطابق بعض مقامات کے متعلق مشورے اور تجاویز دی ہیں۔ چونکہ یہ ایک خاص فن کی کتاب ہے اور میں اس علم کے مبادیات سے بھی شناسائی نہیں رکھتا، تاہم بعض عمومی نوعیت کے مشورے دیے ہیں، اگر قابل قبول ٹھہریں تو میرے لیے یقیناً باعث سعادت ہیں اور یہ سعادت محض میرے پروردگار کرم گستر کی رحمت وعنایت

کی رہینِ منت ہے۔

میری رب کریم کی بارگاہ صمدیّت میں نہایت عاجزانہ دعا ہے کہ وہ ان کی اوران کے استاذ ذی قدر کی اس کاوشِ علمی کو شرف قبولیت سے سرفراز فرمائے۔ ان کی اوران کے استاذ گرامی کی عمر، علم، صحت اورعمل وکردار کی صلاحیتوں میں برکت عطا فرمائے۔ اس کتاب کو ان کے استاذ محترم کے لیے، خود ان کی ذات کے لیےاوران کے معاونین کے لیےصدقہ جاریہ بنائے۔

آخر میں اس کتاب کا مطالعہ کرنے والے سبھی طلباءواساتذہ اور عام قارئین سے استدعا ہے کہ میرے مرحوم والدِ گرامی محمد عمر جوئیہ نوراللہ مرقدہٗ کی بخشش اور مغفرت کے لیےضرور دعا فرمائیں کہ رب کریم اپنی خصوصی عنایت سے انہیں ان کے اجدادِ کرام، بالخصوص ان کے والد، دادا، والدہ اور دیگر قریب و دُور کے انتقال کرجانے والےعزیز واقارب کی قبریں، اپنی رحمت اورکرم کےنور سے بھردے، ہم سب کی ستاری فرمادے اور میری والدہ ماجدہ کو عافیت والی لمبی زندگی اورصحتِ کاملہ ومستمرہ عنایت فرمائے، اورسبھی پڑھنے والےاسی عاصی وخطا کارکوبھی اپنی خصوصی دعاؤں میں ضرور یادرکھیں۔ خدائے قدوس ہم سب کی عاقبت نیک کرے۔

آمین یارب العالمین!

محمد شبیر قمر بستی نوشہرہ تحصیل منچن آباد ضلع بھاولنگر)

حال مقیم 45 کریسنٹ ٹاؤن، گلی نمبر 1 نزد ملتان چونگی، ملتان روڈ لاہور

31 اگست 2009ء بروز پیر

عرض مرتب

الحمدلله الذی جعل النطق سببا لاظہار مافی القلوب والاذہان ۔
والصلوٰۃ والسلام علی النبی الذی دینہ اٰخر الادیان وعلیٰ اٰلہ
وصحبہ ومن تبعھم اجمعین الیٰ یوم الدین ۔

اما بعد! استاذ العلماء استاذ الحدیث والمنطق حضرت اقدس مولانا نذیر احمد صاحب دامت برکاتہم العالیہ کو خالق لم یزل نے فنِ تدریس کی غیر معمولی صلاحیتوں سے متصف اور بہرہ ورفرمایا ہے۔آپ کتب منطق کی معرکۃ الآراء اور مغلق ابحاث کی عقدہ کشائی انتہائی عام فہم اور دلنشین انداز سے فرما کر طلباء کے دل و دماغ میں اتار دینے کا خصوصی ملکہ رکھتے ہیں۔جن کا فیض بحمداللہ صرف ملک بھر میں ہی نہیں بلکہ پوری دنیا میں بالواسطہ یا بلاواسطہ پھیلا ہوا ہے۔آپ کے علمی جواہر پارے آج تک آپ کے تلامذہ (شاگردوں) کے پاس مختلف قلمی نسخوں کی شکل میں موجود رہے ہیں جن سے اخذ واستفادہ اور کسب فیض ایک مخصوص طبقہ تک ہی محدود ہو کر رہ گیا تھا۔بعض مخلص دوستوں (حافظ عبداللہ ساقی صاحب ، حاجی مقبول احمد صاحب ، حافظ عارف حسین صاحب وغیرھم) کے اصرار کے بعد بندہ نے اپنے استاذ محترم کی علمی میراث کی حفاظت اور افادۂ عام کی غرض سے یہ قدم اٹھایا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے تمام اسباب میں آسانی و نصرت فرمائیں۔آمین!

خصوصیات رسالہ ہذا:

(۱) اس رسالہ میں ''تیسیر المنطق'' کے متن کو انتہائی عام فہم اور دلنشین انداز سے بیان کیا گیا ہے۔

(۲) غیر ضروری طوالت سے اجتناب کیا گیا ہے۔

(۳) ہر سبق کے آخر میں اس کی تمرین (مشق) کو بمع وجوہ حل کیا گیا ہے جو کہ متعلمین و معلمین سب کے لیے یکساں مفید ہے۔

اظہار تشکر:

بندہ ان تمام حضرات کا تہہ دل سے شکر گزار ہے جنہوں نے اس رسالہ کی تیاری و تکمیل میں کسی بھی درجہ میں بندہ سے تعاون کیا ہے۔

بالخصوص اپنے استاذ محترم مولانا شیخ نذیر احمد صاحب دامت برکاتہم العالیہ کا کہ جنہوں نے خصوصی شفقت فرماتے ہوئے بکھرے ہوئے مواد کی ترتیب و شیرازہ بندی میں بندہ کی نہ صرف راہنمائی فرمائی بلکہ حوصلہ افزائی بھی اور حافظ عبداللہ نور صاحب کا بھی انتہائی شکر گزار ہوں کہ جنہوں نے اپنی دیگر گوناگوں مصروفیات سے وقت نکال کر اس رسالہ کی کمپوزنگ و تصحیح کے امور میں خصوصی تعاون فرمایا۔ علاوہ ازیں حافظ سلیمان صاحب کا بھی تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اس رسالہ کی پروف ریڈنگ کے سلسلے خصوصی معاونت فرمائی۔

(فجزاهم الله احسن الجزاء)

استدعا:

اس مختصر رسالہ سے استفادہ کرنے والے تمام طلباء وعلماء حضرات کی خدمت میں یہ عاجزانہ استدعا ہے کہ اگر وہ دوران مطالعہ اس میں کوئی بھی خوبی دیکھیں تو بندۂ ناچیز سمیت اس کے تمام اساتذۂ کرام اور والدین کو بھی اپنی دعواتِ صالحہ اور نیک تمناؤں میں ضرور یاد رکھیں۔ اور اگر کوئی نقص دیکھیں تو مصلحانہ روش اختیار کرتے ہوئے بندہ کو اس کی کوتاہی پر ضرور مطلع فرمادیں تاکہ آئندہ اس کی اصلاح کی جاسکے۔ (جزاکم اللہ خیراً)

آخر میں اللہ رب العزت کی بارگاہِ عالیہ میں التجاء ہے کہ وہ اس رسالہ کو قبولیتِ عامہ سے نوازیں اور اسم بامسمیٰ بنائیں۔ اور حضرت استاذ محترم، بندۂ ناچیز اور دیگر تمام معاونین حضرات کے لیے ذخیرۂ آخرت اور نجات کا ذریعہ بنائیں۔

(آمین یا رب العٰلمین)

حافظ میاں عبدالرحمٰن بالاکوٹی
فاضل و متخصص جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ، لاہور

کلمات الشیخ

چند سالوں سے درجہ عامہ کے طلباء کو " تیسیر المنطق " جو کہ علم منطق میں بہت معروف، قدیم اور بنیادی رسالہ ہے، پڑھانے کا اتفاق ہوا۔ کچھ مفید باتیں اس دوران سامنے آتی رہیں۔ اب اس خیال سے کہ علمِ منطق کے حصول کے لیے مفید ہوں گی ان کو جمع کروادیا گیا ہے۔

اس میں اگر کچھ باتیں فن کے لحاظ سے یا ترتیب اور بیان کے اعتبار سے کمزور ہوں تو کچھ باک نہیں کیونکہ یہ رسالہ اصلاً مبتدی طلباء کے لیے ہے اور اس میں بچوں کی تدریجی تربیت اور فن سے مناسبت مقصود ہوتی ہے۔ اور اس قسم کی سب باتیں گوارا کی جاتی ہیں۔ ہاں البتہ اگر کوئی بات بیّن طور پر غلط ہو تو اس کی اصلاح کی جاسکتی ہے۔ (واللہ الموفق والمعین)

(حضرت مولانا) شیخ نذیر احمد (صاحب دامت فیوضہم)
استاذ الحدیث والفنون
جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ، لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

مبادیات علم

کسی بھی علم یا فن (سیکھنے کی غرض سے) کو شروع کرنے سے پہلے اسی علم یا فن سے متعلقہ چند بنیادی چیزوں کا جاننا ضروری ہوتا ہے اور ان کو اس علم یا فن کی مبادیات کہتے ہیں۔

مبادیات منطق درج ذیل ہیں:

(۱) تعریف (۲) موضوع (۳) غرض وغایت (۴) حالات مصنف (۵) واضع یا موجد (٦) اس علم کا مقام ومرتبہ

(۱) تعریف:

مطلقاً تعریف کہتے ہیں: '' مایبیّن به حقیقة الشیء ''

علم منطق کی تعریف دوطرح سے کی گئی ہے:

(الف) علم یعرف به تمییز الفکر السالم (الصحیح) عن الفاسد. یعنی منطق ایک ایسا علم ہے (کہ) جس سے فکر صحیح کو فکر فاسد سے ممتاز کیا جاتا ہے۔

(ب) الة قانونية تعصم مراعاتها الذهن عن الخطاء فی

الفکر. یعنی منطق ایک ایسا قانونی آلہ ہے (کہ) جس کی نگرانی اور حفاظت کرنے سے ذہن کو فکر میں غلطی کرنے سے بچایا جاسکے۔

تنبیہ:

آلہ: لغت میں ہتھیار یا اوزار کو کہتے ہیں جبکہ علمِ منطق کی اصطلاح میں " الواسطة بين الفاعل والمنفعل في ايصال اثره اليه " یعنی "آلہ" ایسا واسطہ (ہے) جو فاعل کے اثر کو منفعل تک پہنچاتا ہے جیسے "منشار" (آرا) وغیرہ۔

قانون: لغت میں کتاب کے مسطر کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں " قاعدة كلية منطبقة علىٰ جميع جزئياته " یعنی ایسا قاعدہ کلیہ جو اپنی تمام جزئیات پر منطبق ہو۔

ذہن: لغت میں فہم، عقل اور دریافت دل کی یاد داشت کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں اس سے مراد ہے: "قوة معدة لاكتساب التصورات والتصديقات."

فائدہ:

تعریف نہ جاننے کی وجہ سے طلب مجہول کی خرابی لازم آتی ہے۔

(۲) موضوع:

مطلقاً موضوع " مايبحث فيه عن عوارضه الذاتية "

علم منطق کا موضوع متقدمین اور متاخرین دونوں نے الگ الگ بیان کیا ہے۔

(الف) متقدمین کے نزدیک علم منطق کا موضوع "المعقولات

الثـانيـه'' ہے یعنی جو چیز دوسری مرتبہ ذہن میں آتی ہے اس لیے کہ جب الفاظ بولے جاتے ہیں تو جو چیز اوّلاً ذہن میں آتی ہے وہ ان الفاظ کے معانی ہوتے ہیں اورلغت والے ان کی بحث کرتے ہیں اور ثانیاً ان معانی کے بعد جو چیز ذہن میں آتی ہے وہ ان معانی کا کلی، جزئ، ذاتی، عرضی، جنس، نوع اور فصل وغیرہ ہونا ہوتا ہے اور منطق (ارباب مناطقہ) ان سے ہی بحث کرتے ہیں۔

(ب) متأخرین کے نزدیک علم منطق کا موضوع'' المعلوم التصوری والتصدیقی من حیث انه یوصل الی مجهول تصوری أو تصدیقی'' یعنی منطق کا موضوع معلوم تصوری یا معلوم تصدیقی ہوتا ہے اس حیثیت سے کہ وہ مجہول تصوری اور مجہول تصدیقی تک پہنچا دے۔

(ج) علم منطق کا مختصر اور آسان موضوع وہ ہے کہ جو'' صاحب شرح حکمۃ اشراق'' نے بیان کیا ہے یعنی'' المعقولات الثـانیـه من حیث انها توصل الی مـجهـول'' یعنی جو چیز دوسری مرتبہ ذہن میں آئے اس حیثیت سے کہ وہ مجہول تک پہنچائے۔

فائدہ: موضوع کا علم نہ ہونے کی وجہ سے خلطِ مبحث کی خرابی لازم آتی ہے۔

(۳) علم منطق کی غرض وغایت

مطلقاً غرض'' مایصدر الفعل عن الفاعل لاجله'' ہے۔ علم منطق کی غرض'' صیانة الذهن عن الخطاء فی الفکر'' یعنی ذہن کو غور وفکر میں غلطی کے صدور وارتکاب سے بچانا منطق کی غرض ہے۔

فائدہ: غرض کا علم نہ ہونے کی وجہ سے طلبِ عبث (فضول چیز کو حاصل

کرنے) کی خرابی لازم آتی ہے۔

(۴) حالات مصنفؒ

مصنف کا نام: حضرت مولانا عبداللہ گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ مجاز طریقت حضرت مولانا خلیل احمد انبیٹھوی رحمۃ اللہ علیہ۔

تاریخ پیدائش: ۱۲۵۸ھ

تحصیل علم: آپ نے ہوش سنبھالتے ہی انگریزی تعلیم حاصل کرنی شروع کردی۔ آپ بچپن سے ہی پابند صوم وصلوٰۃ تھے، آپ نماز پڑھنے کے لیے محلے کی لال مسجد میں جاتے تھے، وہاں حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ نے آپ کا نماز کا شوق دیکھ کر آپ کو دینی تعلیم کی رغبت دلائی۔ چنانچہ آپ نے مولانا سے میزان شروع کر دی، آپ قدرے غبی تھے اس لیے آپ روزانہ ایک گردان یاد کرتے۔ ایک دفعہ استاذ نے دو گردانیں دیں تو یاد نہ ہوئیں۔ شام کو استاذ نے دیکھا کہ یاد نہیں تھیں۔ فرمایا بندۂ خدا آج ایک گردان بھی یاد نہیں کی تو نم دیدہ ہوگئے اور کہنے لگے آج دو گردانیں تھیں پھر انگریزی تعلیم سے علیحدگی اختیار کرتے ہوئے مکمل دینی تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے اور تین سال میں تعلیم مکمل کرلی۔

درس وتدریس: خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں نو روپے ماہوار پر مدرس مقرر ہوئے اور دوران تدریس حضرت تھانویؒ کے مواعظ بھی قلمبند کرتے تھے۔ ۱۲ شوال ۱۳۲۷ھ میں ۱۵ روپے ماہوار پر "مظاہر العلوم سہارنپور" میں مدرس ہوئے اور شوال ۱۳۲۸ھ میں اکابر مدرسین کے ساتھ حج پر گئے۔ واپسی کے بعد صفر ۱۳۲۹ھ سے ایک ماہ ۲۴ یوم تک مدرسہ میں قیام کیا۔ اس کے بعد کاندھلہ

تشریف لے گئے، یہاں ''مدرسۂ عربیہ'' میں آخر عمر تک تعلیم دیتے رہے۔

وفات: ۱۵ رجب ۱۳۳۹ھ بمطابق ۲۶ مارچ ۱۹۲۱ء ہفتہ کی شب میں وفات پائی اور عیدگاہ کے متصل قبرستان میں دفن ہوئے جس میں مفتی الٰہی بخشؒ جیسے بزرگ اکابر بھی دفن تھے۔

تصانیف: ''تیسیر المبتدی'' مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے لیے لکھی اور ''تیسیر المنطق'' حضرت تھانویؒ کی ایماء سے لکھی اور کمال الشیم شرح التمام المنعم ترجمہ تبویب الحکم آپ کی علمی یادگار ہیں۔

فائدہ: حالات مصنف جاننے سے صاحب کتاب کی عظمت و مقام اور محبت دل میں بیٹھتی ہے جو کہ علمِ نافع کا سبب و ذریعہ بنتی ہے۔

علم منطق کا واضع، معلم اول

حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے پہلے ایک بادشاہ گزرا جس کا نام سکندر اعظم تھا اور اس کے وزیر کا نام ارسطاطالیس (ارسطو) (متوفی ۳۲۲ سال قبل از مسیح) تھا۔ ایک دن وہ دونوں اکٹھے سفر پر جا رہے تھے کہ سکندر اعظم کو راستہ سے ایک پیالہ ملا جس میں کچھ لکیریں لگی ہوئی تھیں۔ بادشاہ نے اپنے وزیر ارسطو سے سوال کیا کہ یہ کیسی لکیریں ہیں؟ تو ارسطو نے جواب دیا اس میں دوسوسال کی تاریخ لکھی ہوئی ہے۔ اس پر سکندر اعظم نے کہا کہ ہمیں بھی کوئی ایسی چیز کرنی چاہیے کہ جو منفرد ہو تو ارسطو نے اس کی پہچان کے لیے ایک علم/فن وضع کیا جس کا نام علم منطق رکھا اور اس وقت اس نے اس علم کو یونانی زبان میں لکھا تھا۔ ارسطو یونان کے اساطین حکمت میں سے ایک تھا۔ اس نے مختلف علوم وفنون پر بہت سی کتب لکھی ہیں اور یہ سکندر اعظم کا وزیر

ہونے کے ساتھ ساتھ اس کا استاذ بھی تھا۔ یہ علم اسی یونانی زبان میں ہی چل (منتقل ہو) کر ابونصر فارابی کے دور تک آیا اور یہ خلافت عباسیہ کا دور تھا۔ اہل علم ارسطو کو علم منطق کا معلم اول کہتے ہیں۔

معلم ثانی

شیخ ابونصر فارابی جو عظیم فیلسوف اور منطقی انسان تھا اس کی وفات ۳۴۰ھ میں ہوئی۔ صاحب کشف الظنون نے اس کی تصانیف کی تعداد ۱۱۴ لکھی ہے۔ اس عظیم فیلسوف نے (جو کہ یونانی و عربی دونوں زبانوں کا ماہر تھا) علمِ منطق کو یونانی زبان سے عربی زبان میں منتقل کیا اس لیے اس کو علمِ منطق کا معلمِ ثانی کہتے ہیں۔

معلم ثالث

شیخ فارابی کے بعد شیخ بوعلی سینا نے جو کہ شیخ الرئیس کے لقب سے مشہور ہیں اور جن کی ولادت ۳۷۳ھ میں اور وفات ۴۲۷ھ میں ہوئی اس مسودے کا مطالعہ کیا جس کو فارابی نے یونانی زبان سے عربی میں منتقل کیا تھا اور اس علم کو نہایت ہی منظم انداز سے ترتیب دیا اور مجتہدانہ طور پر اس کے مسائل کی خوب اچھی طرح وضاحت کی۔ عباسی خاندان کے عہد خلافت میں ہلاکو خان نے بغداد پر حملہ کر کے ہولناک تباہی مچائی تھی اور وہاں کے بے نظیر کتب خانے یعنی مامون الرشید کے قائم کردہ ''بیت الحکمت'' کی کتب دریا برد کر دی تھیں۔ اس کے بعد علم کی یہ قندیل پھر سے روشن ہوئی اور بوعلی سینا نے اسی علم منطق کو عربی زبان میں ازسرِ نو لکھ دیا اس لیے اس کو معلم ثالث کہتے ہیں۔

فائدہ: واضع یا موجد کے بارے میں جاننے سے اس علم یا فن کی تاریخی

حیثیت واضح ہوتی ہے۔

علم منطق کا مقام ومرتبہ

علم منطق اگر چہ علوم عالیہ (مقصودہ) میں سے تو نہیں لیکن مفید اور علوم آلیہ میں سے ضرور ہے۔ تعقل، ذہنی ورزش، تشحیذ اذہان، مبتدی حضرات کی تربیت اور کاملین کے لیے تکمیل فکر، طرز استدلال میں پختگی حاصل کرنے اور سلف کے علمی ذخیرہ سے بھرپور انداز سے مستفید ہونے کی صلاحیت واستعداد فراہم کرنے کے لیے علم منطق کی تحصیل انتہائی ضروری ہے۔ اس لیے کہ علم منطق کے بغیر ہم لوگ قرآن مجید، سنت نبوی اور اسلام کی حکیمانہ تشریحات کو کما حقہ' سمجھنے سے قاصر رہیں گے۔ اور اگر ہم قرآن وسنت اور کتب سلف سے مکمل طور پر فائدہ نہ اٹھا سکیں تو یہ ہمارے لیے انتہائی بدقسمتی کی بات ہے۔

علم منطق کا مقام ومرتبہ اسلاف کی نظر میں:

(۱) حکیم الامت حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ

حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ نے ''رسالہ النور'' میں ارشاد فرمایا ہے کہ ''ہم صحیح بخاری کے مطالعہ میں جیسے اجر وثواب سمجھتے ہیں۔ ایسے ہی ''میر زاہد'' اور ''اُمورِ عامہ'' (دونوں منطق کی کتابیں ہیں) کے مطالعہ میں بھی ویسا ہی اجر وثواب سمجھتے ہیں۔ (رسالہ النور ماہ ربیع الاول ۱۳۶۱ھ)

(۲) امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان

''من لم یعرف المنطق فلا ثقة له فی العلوم اصلاً'' یعنی جس کو علم

منطق کی معرفت حاصل نہیں تو اس کے لیے علومِ اصلیہ میں کوئی مضبوطی اور ثقاہت کا درجہ حاصل نہیں۔

(۳) شیخ بوعلی سینا رحمۃ اللہ کا قول

''المنطق نعم العون علی ادراک العلوم کلھا'' یعنی علم منطق تمام علوم کے ادراک میں بہترین مددگار ہے۔

(۴) شیخ محمد ابراہیم البلیاوی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

''المنطق للعلوم والفنون کمثل السماد للحقول ''، علم منطق تمام علوم وفنون کے لیے وہی حیثیت رکھتا ہے جو کھیتی کے لیے کھاد۔

(۵) قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ۔

مگر منطق کہ خادم ہمہ علوم است
خواندنِ آں البتہ مفید است

یعنی علم منطق تمام علوم کا خادم ہے، اسے پڑھنا (حاصل کرنا) یقیناً مفید ہے۔

فائدہ: علم یا فن کے مرتبہ کے بارے میں جاننے سے اس کی اہمیت وعظمت دل میں بیٹھتی ہے۔ جوکہ مفضی الی التحصیل ہے۔

سوال جب یہ بات بالکل واضح ہے کہ علم منطق علوم عالیہ سے نہیں ہے تو پھر اس کو باقاعدہ علم کے طور پر کیوں پڑھایا اور سکھایا جاتا ہے؟

جواب ہاں یہ بات درست وقابل تسلیم ہے کہ علم منطق کو علم عالی کا درجہ تو حاصل نہیں ہے اور نہ ہی آپ کے عہد مبارک میں علم منطق کوئی باقاعدہ طور پر موجود

تھا لیکن یہ علوم آلیہ سے ہے اس لیے کہ قرآن مجید اور احادیث رسول میں بکثرت منطقی انداز سے مُدّعا ثابت کیا گیا ہے اور منطقی انداز سے دلائل دیے گئے ہیں۔اور یہ تو بالکل ایسے ہی ہے کہ جیسے علم نحو اور علم صرف وغیرہ آپ کے زمانہ میں باقاعدہ وضع نہیں ہوئے تھے بلکہ علم نحو کو حضرت علی المرتضیٰؓ نے باقاعدہ وضع فرمایا اور علم صرف کے واضع اول علی اختلاف الاقوال حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ ہیں جو کہ تابعی ہیں۔لیکن آپ یقیناً نحوی وصرفی قواعد کے مطابق ہی کلام اللہ کی تلاوت فرماتے اور اپنے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو سکھاتے تھے۔تو جیسے علم نحو اور علم صرف علوم آلیہ سے ہیں، ایسے ہی علم منطق بھی علوم آلیہ سے ہے اور اس کا حاصل کرنا بھی فائدہ سے خالی نہیں ہے۔(فلااشکال علیہ)

قرآن مجید سے منطقی اصطلاحات کے مطابق دلائل دینے کی چند مثالیں

(۱) مَاأَنْزَلَ اللّٰهُ عَلیٰ بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ، قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتَابَ الَّذِیْ جَاءَ بِهٖ مُوْسیٰ (سورۃ الانعام آیت نمبر ۹۱ پ ۷)

ترجمہ: اللہ نے نہیں اتارا کسی انسان پر کچھ۔پوچھ تو کس نے اتاری وہ کتاب جو موسیٰ علیہ السلام لائے۔(معارف القرآن، حضرت کاندھلویؒ)

اس آیت مبارکہ میں سالبہ کلیہ کی نقیض موجبہ جزئیہ استعمال ہوئی ہے اور سالبہ کلیہ، موجبہ جزئیہ یہ منطقی اصطلاحات میں سے ہیں۔

(۲) لَوْ كَانَ فِيْهِمَا اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا. (سورۃ الانبیاء آیت ۲۲، پ ۱۷)

ترجمہ: اگر ہوتے ان دونوں (زمین وآسمان) میں اور حاکم سوا اللہ کے، دونوں خراب ہوتے۔ (معارف القرآن، حضرت کاندھلویؒ)

(۳) لَوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلاً (بنی اسرائیل آیت ۹۵ پ ۱۵)

ترجمہ: اگر ہوتے زمین میں فرشتے پھرتے، بستے تو ہم اتارتے ان پر آسمانوں سے کوئی فرشتہ پیغام دے کر۔ (معارف القرآن، حضرت کاندھلویؒ)

ان دونوں آیات میں قیاس استثنائی کا ضابطہ استعمال ہوا ہے یعنی استثناء نقیض ہو تو نتیجہ نقیض مقدم ہوتا ہے۔

احادیث مبارکہ سے ایک مثال

قال النبی صلی الله علیه وسلم کل بدعة ضلالة و کل ضلالة فی النار، أو کما قال النبی صلی الله علیه وسلم.

ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی آگ (جہنم) میں لے جانے والی ہے۔ (اس میں صغریٰ و کبریٰ قائم کر کے نتیجہ ثابت کیا گیا ہے۔)

علم منطق کا نام مع وجہ تسمیہ

علم منطق کے تین نام مشہور ہیں:

(۱) علم میزان: میزان بروزن مفعال ہے، یہ اسم آلہ کا صیغہ ہے بمعنی ترازو یعنی تولنے کا آلہ۔ چونکہ اس علم کے ذریعے بھی فکر صحیح اور فکر سقیم (فاسد) کو تولا جاتا ہے۔ اور فکر صحیح اور فکر فاسد میں امتیاز کیا جاتا ہے اس لیے اس علم کو علم میزان کہا جاتا ہے۔

(۲) علم برہان: برہان بروزن فُعلان بمعنی دلیل۔ اس علم کو برہان اس لیے کہتے ہیں کہ یہ بھی دلیل سے بحث کرتا ہے۔

(۳) علم منطق: منطق بروزن مَفعِل ہے، یہ مصدر میمی ہے بمعنی نُطق۔ اس کا

اطلاق نطقِ ظاہری یعنی گفتگو پر بھی ہوتا ہے اور نطقِ باطنی یعنی فہم اور ادراکِ کلیات پر بھی ہوتا ہے۔ اور مجازاً یہی اس علم کا نام رکھ دیا گیا ہے۔

یہ ''تسمية السبب باسم المسبب'' کی قبیل سے ہے۔ کیونکہ یہ علم بھی انسان کے نطق ظاہری یعنی قیل وقال، گفتگو اور نطق باطنی یعنی ادراک المعقولات کے لیے سبب مقوی ہوتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً

سوال مصنف نے اپنی کتاب کی ابتدا بسم اللہ سے کیوں کی؟

اس کے پانچ جوابات ہیں:

(۱) اتباعاللقرآن (۲) اتباعاللحدیث (۳) اتباعالسلف والصالحین (۴) اتباعاللعقل (۵) خلافاللمشرکین

(۱) اتباعاللقرآن: جس طرح اللہ تعالیٰ کے کلام کی ابتداء بسم اللہ سے ہوتی ہے بعینہ اسی طرح صاحب تیسیر المنطق نے بھی اپنی کتاب کی ابتداء بسم اللہ سے کی تاکہ کتاب اللہ کی موافقت واتباع ہو جائے۔

(۲) اتباعاللحدیث: صاحب کتابؒ نے حدیث کی اتباع کرتے ہوئے اپنی کتاب کی ابتداء بسم اللہ سے کی کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے'' **کل امر ذی بال لم یبدأ ببسم الله فهو اقطع وابتر، أو كما قال عليه الصلوٰة والسلام** یعنی ہر مہتم بالشان کام جو کہ اللہ کے نام کے بغیر شروع کیا جائے (تو) وہ مقطوع البرکت ہوتا ہے۔

(۳) اتباعاللسلف والصالحین: مصنفؒ نے اپنے اساتذہ اور سلف وصالحین کی اتباع کرتے ہوئے بھی اپنی کتاب کی ابتداء بسم اللہ سے کی۔

(۴) اتباعاللعقل: اللہ تعالیٰ نے انسان کو بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے

۔جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ " وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَاتُحْصُوْهَا (ابراہیم آیت ۳۴ پ ۱۳) یعنی " اگر تم اللہ تعالیٰ کی (عطا کردہ) نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے۔" تو جس طرح انسان کا انگ انگ (ایک ایک عضو) خالق کی نعمتوں سے مالا مال ہے تو پھر عقل اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ ایسے محسن حقیقی کا شکریہ ادا کیا جائے، منجملہ ان نعمتوں کے اس کتاب کی تالیف بھی اللہ تعالیٰ کی خصوصی نعمت تھی تو شکریہ ادا کرتے ہوئے صاحبؒ کتاب نے ابتداء بذکر اللہ کی۔

(شکر المنعم وشکر المحسن واجب العقل)

(۵) خلافاً للمشرکین: مشرکین کا یہ شیوہ تھا کہ جب بھی کوئی کام کرتے تو اپنے بتوں (لات وعزیٰ وغیرہ) کا نام لیتے تھے تو صاحبؒ کتاب نے اثبات توحید کرتے ہوئے اپنی کتاب کا آغاز بھی اللہ تعالیٰ کے بابرکت نام سے کیا۔

حامداً: حامداً میں بھی یہی مذکورہ صدر جوابات ہو سکتے ہیں۔

(۱) اتباعاً للقرآن: قرآن کریم میں بھی بسم اللہ کے بعد الحمد للہ ہے تو صاحب کتاب نے بھی یہی طرز اختیار کیا تاکہ کتاب اللہ کی موافقت ہو جائے۔

(۲) اتباعاً للحدیث: فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے " کل امر ذی بال لم یبدا بحمدالله فهو اقطع و ابتر، أو كما قال النبي صلى الله عليه وسلم" تو صاحب کتاب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پیارے فرمان کی اتباع کرتے ہوئے "حمد" سے اپنی کتاب کی ابتدا کی تاکہ اس میں برکت ہو اور یہ علم نافع کا ذریعہ بنے۔

(۳) اتباعاً للسلف والصالحین: سلف وصالحین حضرات کا بھی یہی انداز تھا

کہ وہ اپنی تصانیف ''بسم اللہ'' و''حمد'' سے شروع کرتے تھے چنانچہ صاحب کتاب نے بھی ان کی اتباع میں یہی انداز اختیار کیا۔

(۴) اتباعا للعقل : مختصراً یہ کہ عقل بھی اسی بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اسی ذات مقدس کے مبارک نام سے ابتدا کی جائے جس کے انسان پر بے شمار انعامات و احسانات ہیں اس لیے حامداً فرمایا۔

(۵) خلافا للمشرکین : جیسا کہ یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ مشرکین اپنے معبودانِ باطلہ کے اسماء کے ساتھ اپنے کاموں کی ابتداء کرتے تھے اور انہی کی تعریف کرتے تھے۔ تو صاحب کتاب نے ان کے رد میں معبودِ حقیقی کی تعریف کرتے ہوئے اپنی کتاب کا آغاز کیا۔

فائدہ نمبر (۱):

حمد کی تعریف: هو الثناء باللسان على الجميل الاختياری بقصد التعظيم نعمةً كان أو غيرها. یعنی کسی کی اختیاری خوبی پر تعظیم کے ارادہ سے تعریف کرنا حمد کہلاتا ہے خواہ کچھ انعام کیا ہو یا نہ کیا ہو (عام ہے کہ حمد مقابلہ نعمت کے ہو یا غیر نعمت کے)

فائدہ نمبر (۲):

مدح کی تعریف: هو الثناء باللسان على الجميل نعمةً كان أو غيرها. یعنی کسی بھی اچھائی پر تعریف کرنا خواہ اختیاری ہو یا غیر اختیاری نعمت کے مقابلے میں ہو یا نہ ہو۔

فائدہ نمبر (۳):

شکر کی تعریف: هو فعل ينبيء عن تعظيم المنعم سواء كان باللسان أو بالجنان أو بالاركان . یعنی شکر ایک ایسا فعل ہے جو منعم کی تعظیم کی خبر دے، برابر ہے کہ زبان سے ہو یا دل سے یا اعضاء و جوارح سے۔

فائدہ نمبر (۴):

حمد و شکر میں نسبت: حمد کا مورد خاص ہے یعنی حمد صرف زبان سے ہی ہوتی ہے اور اس کا متعلق عام ہے خواہ انعام کے مقابلے میں ہو یا نہ ہو۔ اور شکر کا مورد عام ہے یعنی زبان سے ہو یا دل سے یا اعضاء سے اور متعلق خاص ہے کہ یہ انعام کے مقابلے میں ہی ہوتا ہے۔ یعنی دونوں کے درمیان عموم و خصوص من وجہ کی نسبت ہے۔

فائدہ نمبر (۵):

حمد و مدح میں نسبت: حمد اور مدح میں عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہے۔ حمد خاص مطلق ہے اور مدح عام مطلق ہے۔ تو جہاں حمد ہوگی وہاں مدح بھی ہوگی اور جہاں مدح ہوگی وہاں حمد کا ہونا ضروری نہیں ہے۔

مصلیاً: یہی مذکورہ صدر پانچ جواب مصلیاً کے بارے میں بھی دیے جا سکتے ہیں۔

(۱) اتباعاللقرآن: قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيماً. (احزاب آیت ۵۶ پارہ ۲۲) تو صاحب کتاب نے اس آیت مبارکہ کی اتباع کرتے ہوئے ''مصلیاً'' ذکر فرمایا۔

سوال مذکورہ آیت مبارکہ سے تو یہ ثابت ہو رہا ہے کہ ''اے ایمان والو تم نبی پر درود پڑھو'' یعنی صیغہ امر کے ساتھ جبکہ ہم پڑھتے ہیں اللھم صل علی محمد الخ تو گویا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں امر فرما رہے ہیں اور ہم اللہ تعالیٰ کو امر کرتے ہیں کہ وہ حضرت محمدؐ پر درود بھیجیں جو کہ سراسر بے ادبی و گستاخی ہے جو کہ جائز نہیں۔

جواب اللہ تعالیٰ کی ذات کے بعد اگر کسی کا مرتبہ و مقام ہے تو وہ یقیناً آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ ''بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر'' اور درود شریف ایک ہدیہ و تحفہ ہے تو ہم براہ راست آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود (ہدیہ) نہیں بھیجتے اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان و عظمت بہت بلند ہے اور ہماری اتنی حیثیت نہیں کہ ہم براہ راست یہ ہدیہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کریں۔ لہٰذا ہم اللہ تعالیٰ سے ہی درخواست کرتے ہیں نہ کہ امر کہ اے اللہ آپ بڑے ہیں آپ ہی ہماری طرف سے ہدیہ بھیج دیں۔ خلاصہ کلام یہ ہوا کہ ہمارا درود یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری درخواست کو قبول فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نازل فرما دیں۔ اور اس میں کوئی بے ادبی و گستاخی بھی نہیں ہے۔

فائدہ: صیغہ امر متعدد معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے جیسا کہ نور الانوار کے حاشیہ پر موجود ہے۔ مشہور معانی تین ہیں (۱) علی سبیل الاستعلاء (۲) علی سبیل الالتماس (۳) علی سبیل الالتجاء

وضاحت: (۱) اگر بڑا چھوٹے کے لیے صیغہ امر استعمال کرے تو اس وقت یہ صیغہ ''طلب فعل علی سبیل الاستعلاء'' کے معنی میں ہوتا ہے۔ (۲) اور اگر متکلم اپنے برابر والے کے لیے صیغہ امر استعمال کرے تو یہ ''طلب فعل علی سبیل الالتماس'' کے

معنی میں ہوگا۔ (۳) اور اگر چھوٹا بڑے کو صیغہ امر سے خطاب کرے تو اس وقت یہ صیغہ ''طلب فعل علی سبیل الالتجاء'' کے معنی میں ہوگا۔ جیسے **اللھم صل علیٰ محمد** میں '' صَلِّ '' صیغہ امر ہے اور درخواست والتجاء کے معنی میں ہے۔

(۲) اتباعاللحدیث: جناب نبی کریم کے پیارے فرمان کا مفہوم ہے کہ جب بھی میرا کوئی امتی کسی اچھے کام کو شروع کرنے سے پہلے مجھ پر درود بھیجتا ہے تو فرشتے اس کے لیے مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔ صاحب کتاب نے بھی اس حدیث کی اتباع کرتے ہوئے ''مصلیاً'' کا کلمہ ذکر کیا ہے۔

(۳) اتباعاللسلف والصالحین: اپنے اساتذہ وسلف کی اتباع کرتے ہوئے '' مصلیاً'' کے کلمہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ہدیہ بھیجا ہے۔

(۴) اتباعاللعقل: حدیث قدسی ہے: '' **لولاک لما خلقت الافلاک** '' یعنی اے میرے محبوب! اگر آپ نہ ہوتے تو میں کائنات کو پیدا ہی نہ کرتا۔ یعنی اگر محسنِ کائنات حضرت محمد ﷺ نے دنیا میں جلوہ افروز نہ ہونا ہوتا تو یہ جن وبشر، شمس وقمر، شجر وحجر، بحر وبر، مرغزار وبیابان، نباتات وجمادات جنگل کے درندے الغرض کائنات کی کسی بھی شئے کا نام ونشان بھی نہ ہوتا۔

؎ گر ارض و سما کی محفل میں لولاک لما کا شور نہ ہو

یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں، یہ نور نہ ہو سیاروں میں

تو جب ساری کی ساری کائنات کی رونقیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرہون منت ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے درمیان میں یہی واسطہ علم بھی ہیں لہٰذا صاحب کتاب نے اس محسن کائنات کو ہدیہ درود پیش کرتے ہوئے ''مصلیاً'' ذکر

کیا ہے۔

(۵) خلافاللمشرکین: جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین اسلام کی دعوت دینا شروع فرمائی تو وہی مشرکین جو پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صادق وامین کے لقب سے پکارتے تھے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت پر اتر آئے اور دوسری مختلف ایذاؤں اور تکالیف کے ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو برے ناموں سے پکارنا شروع کردیا جیسے (نعوذ باللہ) ساحر (جادوگر) مجنون وغیرہ۔ تو صاحب کتاب نے اپنی اس کتاب کی ابتدا میں ان کے خلاف طرز عمل کرتے ہوئے ''مصلیاً'' کے ساتھ اپنے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم پر ہدیہ درود پیش کیا۔

سوال ابتدا تو کسی ایک شئے سے ہی ممکن ہوسکتی ہے اس لیے کہ ابتداء کا معنی ہے ''آغاز'' تو اس صورت میں تو صرف بسم اللہ والی حدیث پر عمل ہوسکتا ہے نہ کہ بحمد اللہ والی حدیث پر۔ تو بحمد اللہ والی حدیث پر عمل نہ ہوا کیونکہ آغاز تو بسم اللہ سے ہو چکا ہے؟

جواب اس اشکال کے جواب کے لیے ابتدا کی اقسام کا جاننا ضروری ہے۔

ابتدا کی تین اقسام ہیں: (۱) حقیقی (۲) اضافی (۳) عرفی

(۱) حقیقی: جو مقصود وغیر مقصود سے قبل ہو ابتداء حقیقی کہلاتی ہے جیسے بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم جو کتاب کے مقصود (تصور وتصدیق) اور غیر مقصود (حامدا ومصلیا) سے پہلے مذکور ہے۔

(۲) اضافی: جو مقصود سے تو قبل ہو خواہ غیر مقصود سے قبل ہو یا بعد میں ہو جیسے ''حامداً'' جو کہ مقصود سے پہلے ہے اگرچہ اس سے قبل بسم اللہ (جو کہ غیر مقصود ہے)

مذکور ہے۔

(۳) عرفی: یہ عام ہے اور اس کا اعتبار عرف کے لحاظ سے ہے خواہ مقصود سے قبل ہو یا دوران مقصود ہو۔

لہٰذا بسم اللہ والی حدیث پر بھی عمل ہوا ابتداء حقیقی کے اعتبار سے اور بحمد اللہ والی حدیث پر بھی عمل ہوا ابتداء اضافی یا عرفی کے اعتبار سے۔ (فلا اشکال علیہ)

ترکیب حامداً و مصلیاً

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ، حامداو مصلیا

''حامدا'' منصوب بالفتحہ لفظا حال ہے، علامت نصب فتحہ ہے کیونکہ یہ اسم مفرد منصرف صحیح ہے جس کا اعراب تینوں حالتوں میں بالحرکت لفظی ہوتا ہے۔ اور اس کا ذوالحال ''انا'' ضمیر ہے جو ''اشرع'' یا'' اکتب'' صیغہ واحد متکلم مضارع معروف میں مستتر ہے۔

''و'' حرف عطف ہے اور یہ مبنی علی الفتح ہے لامحل لہ من الاعراب۔ ''مصلیاً'' منصوب بالفتحہ لفظاً اسم منقوص ہے (حامدا پر عطف کی وجہ سے منصوب ہے)

معطوف علیہ اپنے معطوف سے مل کر حال ہوا ''انا'' ضمیر ذوالحال کا، باقی ظاہر ہے۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے اس حال میں کہ میں اس کی تعریف کرتا ہوں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا ہوں۔

تصورات

﴿الدرس الاول﴾

علم کی تعریف اور اس کی قسمیں

علم کا لغوی معنی ہے جاننا۔ کسی چیز کے جاننے کا مطلب یہ ہے کہ اس چیز کا نام لیتے ہی اس کی تصویر یا تصور ذہن میں آ جائے۔ اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) تصور (۲) تصدیق

تصور: تصور علم کی وہ قسم ہے کہ جس میں ایک یا کئی چیزوں کی تصویر ذہن میں ہو اور حکم نہ لگایا گیا ہو جیسے زید کا تصور اور کئی چیزیں جیسے بھیڑ، بکری اور گھوڑے وغیرہ کا تصور اور اگر حکم لگایا بھی جائے تو یقینی نہ ہو۔ جیسے زید آیا ہوگا۔

تصدیق: تصدیق علم کی وہ قسم ہے کہ جس کے اندر کوئی نہ کوئی حکم یقینی طور پر پایا جائے عام اس سے کہ وہ نفیاً ہو یا اثباتاً جیسے زید کھڑا ہے، یا زید نہیں کھڑا۔ اور اس میں تعمیم ہے کہ حکم کا ثبوت از روئے عقل کے ہو یا از روئے شرع کے یا بوجہ امر خارج کے ہو۔

☆التمرین☆

سوال: ان مثالوں میں غور کرو اور بتاؤ تصور کون ہے اور تصدیق کون؟

(۱) زید کا گھوڑا	جواب: یہ تصور ہے کیونکہ اس میں فقط گھوڑے کی تصویر ذہن میں ہے حکم نہیں لگایا گیا۔
(۲) عمر کی بیٹی	جواب: یہ بھی تصور ہے کیونکہ اس میں بھی فقط ایک تصویر ذہن میں آتی ہے حکم نہیں لگایا گیا۔
(۳) عمرو زید کا غلام	جواب: یہ بھی تصور ہے کیونکہ اس کلام میں صرف مبتدا مذکور ہے حکم مذکور نہیں۔
(۴) بکر خالد کا بیٹا ہوگا۔	جواب: یہ بھی تصور ہے اگر چہ اس میں حکم تو لگایا گیا ہے لیکن یقینی نہیں بلکہ شک ظاہر ہو رہا ہے۔
(۵) سرد پانی	جواب: تصور ہے کیونکہ کوئی حکم نہیں لگایا گیا۔
(۶) محمد اللہ کے سچے رسول ہیں۔	جواب: یہ تصدیق ہے کیونکہ اس میں لگایا جانے والا حکم ازروئے شریعت یقینی ہے۔
(۷) جنت حق ہے۔	جواب: یہ بھی تصدیق ہے کیونکہ اس کا حکم بھی ازروئے شریعت یقینی ہے۔
(۸) دوزخ کا عذاب	جواب: یہ تصور ہے کیونکہ حکم نہیں لگایا گیا۔
(۹) قبر کا عذاب حق ہے۔	جواب: یہ تصدیق ہے اس لیے کہ اس میں لگایا جانے والا حکم ازروئے شریعت یقینی ہے۔
(۱۰) مکہ معظمہ	جواب: تصور ہے کیونکہ مکہ معظمہ بولتے ہی ایک صورت ذہن میں آتی ہے لیکن حکم نہیں لگایا گیا۔

تصوراورتصدیق کی اقسام

تصوراورتصدیق میں سے ہرایک کی دوقسمیں ہیں:

(۱) نظری (۲) بدیہی؛ اس طرح کل چاراقسام بنتی ہیں:

(۱) تصورنظری (۲) تصوربدیہی (۳) تصدیق نظری (۴) تصدیق بدیہی

ان چاروں اقسام کو آسانی سے سمجھنے کے لیے ایک آسان سا ضابطہ بنایا گیا ہے۔

ضابطہ: اگرکوئی چیز ایسی ہو کہ اسے سنتے ہی ہر پڑھا لکھا، ان پڑھ آدمی سمجھ جائے اوراس میں حکم بھی نہ لگایا گیا ہوتو وہ تصور بدیہی ہے اوراگراس میں کسی قدر بھی غوروفکر کرنا پڑا تو تصورنظری بن جائے گا، اسی طرح اگرکوئی چیز ایسی ہو کہ اسے سنتے ہی ہر پڑھا لکھا، ان پڑھ سمجھ جائے اورحکم بھی لگایا گیا ہوتو یہ تصدیق بدیہی ہے اوراگراس میں کسی قدرغوروفکر کرنا پڑا تو وہ تصدیق نظری بن جائے گا۔

فائدہ نمبر(۱): چیزوں کا بدیہی اورنظری ہونا آدمیوں کے لحاظ سے بدلتا رہتا ہے مثلاً فرشتہ اہل اسلام کے ہاں بدیہی ہے جبکہ غیرمسلم کے ہاں نظری ہے کیونکہ وہ ملائکہ پرایمان نہیں رکھتے اس لیے انہیں معلوم نہیں کہ فرشتے بھی اللہ تعالیٰ کی کوئی مخلوق ہیں لہٰذا انہیں سمجھانا پڑے گا۔ ایسی چیزیں جو بعض کے ہاں نظری اور بعض کے

ہاں بدیہی ہوں تو علم منطق میں نظری ہی شمار ہوتی ہیں۔

فائدہ نمبر (۲): نظری چیز کا جب علم ہو جائے تو وہ بھی بدیہی بن جاتی ہے۔ جیسے کسی طالبعلم کو اسم، فعل، حرف کی تعریف سمجھا دی جائے تو اب جب دوبارہ اس کے سامنے اسم، فعل یا حرف میں سے کسی کا نام آئے گا تو وہ بلاغور وفکر اسے جان لے گا لیکن چونکہ حصول تو نظر وفکر سے ہی ہوا اس لیے اسے بھی نظری ہی کہیں گے۔

☆التمرین☆

سوال: امثلہ ذیل میں بتاؤ کہ کون تصور وتصدیق کس قسم کا ہے۔

(۱) پل صراط — جواب: تصور نظری ہے۔ تصور اس لیے کہ حکم مذکور نہیں اور نظری اس لیے کہ اس کے جاننے کے لیے کسی قدر غور وفکر کی ضرورت ہے۔

(۲) جنت — جواب: تصور نظری ہے۔ تصور اس لیے کہ حکم مذکور نہیں اور نظری اس لیے کہ اس کے جاننے کے لیے غیر مسلموں کو اس کے سمجھنے میں نظر وفکر کی ضرورت ہے۔

(۳) قبر کا عذاب — جواب: تصور نظری ہے۔ تصور اس لیے کہ حکم مذکور نہیں اور نظری اس لیے کہ منکرین حیاۃ بعد الممات کے سامنے اس عارضی زندگی کے علاوہ کوئی اور تصور نہیں ہے لہٰذا ان کو قبر کے عذاب کی واقعیت وحقیقت سمجھانے کے لیے دلائل کی ضرورت ہے۔

(۴) چاند — جواب: تصور بدیہی ہے۔ اس لیے کہ ہر آدمی کے ذہن میں نام لیتے ہی ایک تصویر بن جاتی ہے سمجھانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔

(۵) آسمان — جواب: تصور بدیہی ہے۔ اس لیے کہ ہر آدمی بغیر غور وفکر کے سمجھ جاتا ہے سمجھانے کی ضرورت نہیں۔

(۶) دوزخ موجود ہے۔ — جواب: تصدیق نظری ہے۔ تصدیق اس لیے کہ حکم شرعی یقینی موجود ہے اور نظری اس لیے کہ منکرین قیامت کو دلائل کے ذریعے سمجھانا پڑے گا۔

(۷) ترازو اعمال کی — جواب: تصور نظری ہے۔

(۸) جنت کے خزانے — جواب: تصور نظری ہے۔

(۹) عمر کا بیٹا کھڑا ہے۔ — جواب: تصدیق بدیہی ہے۔ اس لیے کہ ہر دیکھنے والا قطعی طور پر اس حکم کے صدق وکذب کو بغیر غور وفکر کے جان سکتا ہے۔

(۱۰) کوثر جنت کا حوض ہے۔ — جواب: تصدیق نظری ہے۔

(۱۱) آفتاب روشن ہے۔ — جواب: تصدیق بدیہی ہے۔ کیونکہ ہر بینا آدمی اس کے صدق وکذب کا بغیر نظر وفکر کے یقین رکھتا ہے۔

نوٹ: 7,8,10 سوال کے جواب کے لیے وہی دلیل ہے جو چھٹے سوال کے جواب میں گزر چکی ہے۔

﴿الدرس الثالث﴾

نظر وفکر ومنطق کی تعریف اور منطق کی غرض وموضوع

اس درس کے اندر چار باتوں کا بیان ہے:

(۱) نظر وفکر کی تعریف (۲) منطق کی تعریف (۳) منطق کی غرض (۴) منطق کا موضوع

اس سے قبل کہ ان چار چیزوں کی وضاحت کی جائے ایک مثال کا جاننا ضروری ہے۔

فرض کریں ہم ایک تپائی تیار کرنا چاہتے ہیں اب اس کے لیے ہمیں مختلف ایسے اجزاء کی ضرورت ہے جو تپائی میں استعمال ہوتے ہیں۔ جبکہ ہمارے پاس کئی طرح کے اجزاء موجود ہیں جو مختلف قسم کی چیزوں کے بننے میں استعمال ہوتے ہیں۔ بعض ایسے ہیں جو چارپائی کے بننے میں استعمال ہوتے ہیں، بعض ایسے ہیں جو کرسی کے بننے میں استعمال ہوتے ہیں اور اسی طرح بعض دیگر اشیاء جیسے پنکھا، استری وغیرہ کے بننے میں استعمال ہوتے ہیں۔ اور ان اجزاء میں کچھ اجزاء ایسے بھی ہیں کہ جن سے تپائی تیار کی جاتی ہے تو اب سب سے پہلے ہماری توجہ ان اجزاء کے حصول میں خرچ ہوگی جن سے تپائی تیار ہوتی ہے۔ پھر ان اجزاء کو حاصل کرنے کے بعد ہمارے لیے یہ بھی ضروری ہوگا کہ ان اجزاء کو اس انداز سے ترتیب دیں کہ ہمارا مقصود یعنی تپائی کا وجود حاصل ہو جائے۔ گویا اب ہمیں یہاں دو عمل کرنے پڑے:

(۱) متعلقہ مقصودہ اجزاء کا حاصل کرنا

(۲) اجزاء کو ایسی ترتیب سے جوڑنا کہ جس سے وہ چیز صحیح طور پر تیار ہو جائے جو ہمارا مقصود ہے۔

لہٰذا اس کے لیے ہمارے پاس ایسا علم ہونا چاہیے کہ جس کے ذریعے ہمیں یہ معلوم ہو کہ فلاں اجزاء تپائی بنانے میں استعمال ہوتے ہیں ۔ اور فلاں اجزاء استعمال نہیں ہوتے ۔ اور اسی طرح ان اجزاء کو صحیح انداز سے جوڑنے کا علم بھی ہمارے پاس ہونا چاہیے۔ گویا اس علم کے حاصل کرنے کا مقصد یہ ہوا کہ ہم اجزائے صحیحہ کے حصول اور ان کو مرتب کرنے میں ہر قسم کی غلطی سے بچ جائیں لہٰذا اس علم کی مدد سے ہم ان معلوم اجزاء کو مناسب ترتیب سے جوڑ کر ایک ایسی چیز کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے جس کا ہمیں پہلے علم نہ تھا۔ یعنی ہمیں پہلے یہ معلوم نہ تھا کہ تپائی کس طرح بنتی ہے، اس سارے عمل کے نتیجہ میں ہم کو اس کا نہ صرف علم ہو جائے گا بلکہ ہم اسے تیار بھی کر لیں گے۔

بعینہٖ اسی طرح علم منطق کے اندر ہمارے سامنے ایک مجہول چیز کا علم مقصود ہوتا ہے، عام ہے کہ وہ از روئے تصور ہو یا تصدیق ۔ تصور کی مثال جیسے ہم کو گھوڑے کی حقیقت کا علم نہیں اور ہم اس کا تصور معلوم کرنا چاہتے ہیں ۔ اب ہمارے پاس بہت سے تصوراتِ معلومہ موجود ہیں جیسے حیوان ، ناطق ، ذوخوار ، ، صاہل ، ناھق وغیرہ۔ تو اب ہمیں اپنا مقصود حاصل کرنے کے لیے دو کام کرنے پڑیں گے۔

(۱) متعلقہ مقصودہ تصورات کا حاصل کرنا۔

(۲) ان تصورات کو ایسی ترتیب سے جوڑنا کہ جس سے گھوڑے کی حقیقت کا

صحیح تصور حاصل ہو جائے۔

لہٰذا اس کے لیے ہمارے پاس ایسے علم کا ہونا ضروری ہے کہ جس کے ذریعے ہمیں معلوم ہو کہ فلاں تصورات مقصودہ ہیں اور فلاں غیر مقصودہ ہیں اور اسی طرح ان تصورات معلومہ کو صحیح ترتیب سے جوڑنے کا علم بھی ہمارے پاس ہونا ضروری ہے۔ اسی علم کا نام علمِ منطق ہے۔ گویا اس علم کے جاننے کی ضرورت اس لیے محسوس ہوئی تاکہ ہم تصورات معلومہ کے ذریعے ایک غیر معلوم تصور کا علم حاصل کرلیں یہی علم منطق کی غرض وغایت ہے۔ اور انہی تصورات معلومہ کو جوڑنا، ملانا تاکہ ایک مجہول تصور ہمیں حاصل ہو جائے یہ ہمارا کام ہوگا اور یہی علم منطق کا موضوع ہے اور اپنے مقصد تک پہنچنے میں ہم نے جو دو کام کیے (متعلقہ تصورات کا حاصل کرنا اور پھر ان تصورات کو ایسی ترتیب سے جوڑنا کہ جس سے نامعلوم تصور کی حقیقت معلوم ہو) یہ نظر وفکر ہے۔

علم منطق کے ذریعے ہمیں معلوم ہوا کہ گھوڑے کی حقیقت دو تصورات حیوان اور صاہل پر مشتمل ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کو جوڑنے کی ترتیب یہ ہے کہ پہلے حیوان اور پھر صاہل کا ذکر کیا جائے۔ چنانچہ ہم نے ایسے ہی کیا تو ہمیں حیوانِ صاہل (جو کہ گھوڑے کی حقیقت ہے) کا علم ہوا۔ اسی طرح کی مثال تصدیق کے لیے بھی بن سکتی ہے۔

☆التمرین☆

سوال: نظر وفکر کی تعریف بتاؤ۔

جواب: تصورات معلومہ اور تصدیقات معلومہ کو حاصل کر کے اس طرح ملانا کہ اس سے

تصورات مجہولہ اور تصدیقات مجہولہ حاصل ہو جائیں۔
سوال: منطق کی تعریف کرو۔
جواب: وہ علم کہ جس کے ذریعے معلومات سے مجہولات کو حاصل کرتے وقت غلطی کے ارتکاب سے بچا جا سکے۔
سوال: منطق کی غرض بتاؤ۔
جواب: نظر و فکر میں ہونے والی غلطی سے بچنا۔
سوال: موضوع کس کو کہتے ہیں؟
جواب: جس چیز سے کسی فن میں بحث ہوتی ہے وہی اس فن کا موضوع ہوتا ہے۔
سوال: منطق کا موضوع بتاؤ۔
جواب: وہ تصوراتِ معلومہ اور تصدیقاتِ معلومہ کہ جن کے ذریعے سے تصوراتِ مجہولہ اور تصدیقاتِ مجہولہ کا علم حاصل ہوتا ہو۔

﴿الدرس الرابع﴾

دلالت، وضع اور دلالت کی اقسام

دلالت: دلالت کا لغوی معنی ہے رہنمائی کرنا، پتہ بتا دینا۔ کسی چیز کے بارے میں رہنمائی حاصل کرنے کے مختلف طریقے ہیں جیسے کوئی بولے اور ہم سن لیں یا کوئی لکھے اور ہم پڑھ لیں یا کوئی اشارہ کرے اور ہم اس اشارہ کو دیکھ لیں پھر ہمارا ذہن اس چیز کی طرف منتقل ہو جائے جس کو اس نے بولا، لکھا یا اشارہ کیا۔ یا کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہم نے کسی چیز کو دیکھا تو ذہن اس کی وجہ سے کسی دوسری چیز کی طرف منتقل ہو گیا جیسے دھواں دیکھتے ہی ذہن آگ کی طرف منتقل ہو گیا۔ تو یہاں دو چیزیں جمع ہو گئیں:

(۱) وہ چیز جس سے دوسری چیز کا علم ہوا۔

(۲) وہ چیز جس کا علم ہوا۔

پہلی چیز کو ''دال'' اور ثانی کو ''مدلول'' کہتے ہیں۔ اور دال کا مدلول کی طرف راہنمائی کرنا دلالت کہلاتا ہے۔

وضع: وضع کا لغوی معنی ہے طے کرنا، مقرر کرنا۔ انسانوں نے اپنے سمجھنے سمجھانے کے لیے مختلف چیزوں کے نام مقرر کیے ہیں جس سے ان چیزوں کے جاننے میں بہت آسانی ہو جاتی ہے۔ جیسے لوٹا، کرسی، میز، تپائی وغیرہ اگر ان کے نام نہ رکھے جاتے تو بہت سی تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا۔ اسی طرح بہت ساری چیزوں

کے علامتیں بھی مقرر کی جاتی ہیں جیسے پڑھائی کے آغاز کے لیے گھنٹی کا بجنا۔ تو یہاں بھی دو چیزیں جمع ہو گئیں:

(۱) وہ چیز جو طے کی گئی یا مقرر کی گئی۔

(۲) وہ چیز جس کے لیے طے یا مقرر کی گئی۔

اول کو موضوع اور ثانی کو موضوع لہ کہتے ہیں۔ اور ایک چیز کو دوسری چیز کے لیے طے کرنا وضع کہلاتا ہے۔ اور طے کرنے والے کو واضع کہتے ہیں۔

دلالت کی اقسام

ابتداءً دلالت کی دو قسمیں ہیں: (۱) دلالت لفظیہ (۲) دلالت غیر لفظیہ

اگر ایک چیز سے دوسری چیز کی طرف راہنمائی لفظ کی وجہ سے ہو تو وہ دلالت لفظیہ ہے اور اگر بغیر لفظ کے ہو تو وہ دلالت غیر لفظیہ ہے۔

دلالت لفظیہ و غیر لفظیہ میں سے ہر ایک کی مزید تین تین قسمیں ہیں:

(۱) وضعیہ (۲) طبعیہ (۳) عقلیہ اس طرح کل چھ قسمیں ہوئیں۔

(۱) دلالت لفظیہ وضعیہ: اگر دال لفظ ہو اور دلالت باعتبار وضع کے ہو یعنی اس لفظ کو اس مقصود، مدلول کے لیے وضع بھی کیا گیا ہو تو یہ دلالت لفظیہ وضعیہ ہے جیسے کتاب کی ضرورت ہو تو کہتے ہیں مجھے کتاب چاہیے۔ تو اب ''ک، ت، ا، ب'' بول کر ایک چیز مراد لی گئی ہے جس کے لیے حروف کا یہ مجموعہ وضع کیا گیا ہے یا یہ لفظ وضع کیا گیا ہے۔

(۲) دلالت لفظیہ طبعیہ: اگر دال لفظ ہو اور دلالت طبیعت کے تقاضے کی وجہ سے ہو تو یہ دلالت لفظیہ طبعیہ کہلاتی ہے۔ جیسے بھوک لگنے کی وجہ سے بچے کا رونا

اور چیخنا۔

فائدہ: تیسیر المنطق میں دلالت غیر لفظیہ طبعیہ کی مثال کو یوں سمجھیے کہ جیسے گھوڑے کا ہنہنانا دال ہے ''گھاس یا دانے کی طلب پر'' اس میں تسامح ہے کیونکہ ہنہنانا لفظ ہے جس کی وجہ سے یہ دلالت لفظیہ طبعیہ بن گئی۔

(۳) دلالت لفظیہ عقلیہ: اگر دال لفظ ہو اور دلالت کا پہچاننا بذریعہ عقل ہو تو اسے دلالت لفظیہ عقلیہ کہتے ہیں۔ جیسے درسگاہ میں استاذ سبق پڑھا رہا ہو تو باہر سے گزرنے والا شاگرد فوراً جان لے گا کہ یہ آواز فلاں استاذ کی ہے یہاں استاذ کی آواز دال ہے استاذ کی ذات پر اور یہ دلالت ہمیں بوجہ عقل کے معلوم ہوئی۔

فائدہ: تیسیر المنطق میں ''دیز'' والی مثال اس لیے دی تاکہ معلوم ہو کہ اصل عقل کے لیے بولنے والے آدمی کو محض آواز سے پہچاننا ہے لفظ چاہے معنی دار ہو یا نہ ہو۔ اصل یہ بتانا مقصود ہے کہ عقل نے محض آواز کے ذریعے بولنے والے کو پہچان لیا۔

(۴) دلالت غیر لفظیہ وضعیہ: اگر دال لفظ نہ ہو اور دلالت باعتبار وضع کے ہو تو اسے دلالت غیر لفظیہ وضعیہ کہتے ہیں۔ جیسے دوالِ اربعہ۔ دوال جمع ہے دالہ کی جیسے دواب جمع ہے دابہ کی مراد دلالت کرنے والی چیزیں۔ یہ چار ہیں۔ (۱) خطوط (۲) عقود (۳) نصب (۴) اشارات

(۱) خطوط: خطوط خط کی جمع ہے خط کا معنی ہے ''لکھنا، تحریر کرنا''۔ خطوط سے مراد لکھی ہوئی عبارتیں۔ چونکہ یہ عبارتیں الفاظ نہیں ہوتیں بلکہ نقوشِ الفاظ ہوتی ہیں اس لیے ان کی دلالت غیر لفظیہ ہے لیکن اس کے لیے شرط ہے کہ ان کو زبان سے بولے بغیر محض دیکھ کر وہ مفہوم حاصل کیا جائے جن پر یہ نقوش دلالت کر رہے

ہیں۔اگر زبان سے تلفظ کرلیا تو یہ بھی دلالت لفظیہ ہو جائے گی۔

(۲)عقود: عقود عقد کی جمع ہے لفظی معنی ہے ''گرہ'' یہاں ہاتھ کی انگلیوں کے جوڑ مراد ہیں تسبیح فاطمہ میں ہم ان جوڑوں کے ذریعے گنتی کرتے ہیں، اب ان جوڑوں کی دلالت اعداد پر دلالت غیر لفظیہ ہو جائے گی۔

(۳)اشارات: اشارۃ کی جمع ہے جیسے ہاتھ سے کسی چیز کی طرف اشارہ کیا جائے تو اشارہ مشار الیہ پر دلالت کرے گا تو یہ دلالت غیر لفظیہ وضعیہ ہوگی۔

(۴) نصب: نصبہ کی جمع ہے لغوی معنی ہے ''گاڑھی ہوئی چیز''۔ پرانے زمانے میں مختلف شہروں کے درمیان مناسب مسافت پر پتھر رکھ دیے جاتے تھے جن کی وجہ سے مسافت کا اندازہ بھی ہو جاتا تھا اور دوری کا بھی۔آج کل جو پتھر نصب کیے جاتے ہیں یہ خطوط میں داخل ہیں کیونکہ ان کی دلالت پتھر کی وجہ سے نہیں بلکہ تحریر کی وجہ سے ہوتی ہے۔

(۵) دلالت غیر لفظیہ طبعیہ: اگر دال لفظ نہ ہو اور دلالت بوجہ طبیعت کے تقاضے کے ہو تو یہ دلالت غیر لفظیہ طبعیہ ہے۔جیسے چہرے کی سرخی کی دلالت شرمندگی پر یا بھوک کی وجہ سے جانور کا مچلنا دلالت کرتا ہے چارے کی طلب پر۔

(٦) دلالت غیر لفظیہ عقلیہ: اگر دال لفظ نہ ہو اور دلالت کا پہچاننا بذریعہ عقل ہو تو یہ دلالت غیر لفظیہ عقلیہ ہے۔ جیسے جھنڈے کی دلالت متعلقہ سیاسی جماعت پر یا دھویں کی دلالت آگ پر۔

فائدہ: دلالت عقلیہ اور وضعیہ طبعیہ میں ایک اہم فرق یہ ہے کہ دلالت عقلیہ میں زیادہ تر عقل کا حصہ ہوتا ہے ورنہ تو وضعیہ اور طبعیہ دونوں میں ہی عقل کی

ضرورت ہوتی ہے بغیر عقل کے دال کا مدلول پر دلالت کرنا کیسے سمجھ میں آئے گا، پس فرق یہ ہے کہ دلالت وضعیہ اور طبعیہ میں وضع اور طبع کا تقاضا پہلے ہوتا ہے۔ پھر عقل دال سے مدلول تک پہنچاتی ہے بخلاف عقلیہ کے کہ وہاں عقل کا تقاضا پہلے ہوتا ہے۔

☆التمرین☆

سوال: دلالت کی تعریف بتاؤ۔

جواب: ایک چیز کے دوسری چیز کی طرف راہنمائی کرنے کو دلالت کہتے ہیں۔

سوال: وضع کی تعریف بتاؤ۔

جواب: ایک چیز کو دوسری چیز کے لیے اس طرح مقرر کرنا کہ ایک کے جاننے سے دوسری چیز کا علم بھی از خود ہو جائے وضع کہلاتا ہے۔ جیسے لفظ چاقو کی وضع اس کے دونوں اجزاء پھل اور دستے پر۔

سوال: دلالت لفظیہ وغیر لفظیہ کی تعریف اور ان دونوں کی قسمیں بتاؤ۔

جواب: دلالت لفظیہ وہ ہے کہ جس میں دال لفظ ہو اس کی تین قسمیں ہیں:

۱۔لفظیہ وضعیہ　　۲۔لفظیہ طبعیہ　　۳۔لفظیہ عقلیہ

دلالت غیر لفظیہ وہ ہے کہ جس میں دال لفظ نہ ہو اس کی بھی تین قسمیں ہیں:

۱۔غیر لفظیہ وضعیہ　　۲۔غیر لفظیہ طبعیہ　　۳۔غیر لفظیہ عقلیہ

سوال: امثلہ ذیل میں غور کر کے دلالت کی قسم نیز دال اور مدلول بتائیں۔

(۱) سر کا ہلانا ہاں یا نہیں میں

جواب: سر کا ہلانا دال ہے اور ہاں یا نہیں میں سے ہر ایک اپنے موقع کے اعتبار سے مدلول ہے اور دلالت غیر لفظیہ وضعیہ ہے۔

(۲) سرخ جھنڈی، ریل کو ٹھہرانا

جواب: اس میں سرخ جھنڈی دال ہے اور اس کا ریل کو ٹھہرانا مدلول ہے۔ اس میں بھی دلالت غیر لفظیہ وضعیہ ہے۔

(۳) تار کے کھٹکے کی آواز، تار کا مضمون۔

جواب: تار کے کھٹکے کی آواز دال اور تار کا مضمون مدلول جبکہ یہ دلالت لفظیہ وضعیہ ہے۔

وضاحت: ٹیلی گراف ایک مشین ہے جس کے ذریعے سے پیغام ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجا جاتا ہے۔ پیغام بھیجنے والے کی آواز اس کی تاروں کی کھٹکھٹاہٹ میں صاف سنائی دیتی ہے جسے ٹیلی گراف ماسٹر فوراً سمجھ جاتا ہے کیونکہ وہ ان تاروں کی آواز کی وضع سے واقف ہے۔ وہ جان جاتا ہے کہ ان تاروں کے کھٹکے سے کون سے حروف ادا ہو رہے ہیں۔ جیسے کوئی آدمی انگریزی زبان میں گفتگو کر رہا ہو تو اس زبان کا جاننے والا فوراً سمجھ جاتا ہے کہ کون سے حروف و نقاط ادا ہو رہے ہیں جبکہ عام آدمی نہیں سمجھ سکتا۔

(۴) لفظ قلم، تختی، مدرسہ، زید، انسان

جواب: ان سب مثالوں میں خود یہی الفاظ دال ہیں اور ان سے جو چیزیں مراد لی جاتی ہیں وہ مدلول ہیں۔ اور دلالت لفظیہ وضعیہ ہے۔

(۵) دھوپ، آفتاب

جواب: دھوپ دال ہے آفتاب مدلول ہے اور یہ دلالت غیر لفظیہ عقلیہ ہے۔

(۶) آہ آہ، اوہ اوہ

جواب: آہ آہ دال ہے اور اس کی دلالت رنج وصدمہ پر ہے، یہ دلالت لفظیہ طبعیہ ہے جبکہ اوہ اوہ کی دو صورتیں ہیں یا تو آہ آہ کے ہم معنی ہے۔ تو اس کی دلالت بھی رنج وصدمہ پر ہوگی۔ یا پھر یہ تعجب کے لیے ہے تو اس کا صحیح املا (اوہو اوہو) ہے کیونکہ عجیب چیز کو دیکھتے وقت یہ الفاظ منہ سے نکل جاتے ہیں۔ ان دونوں صورتوں میں بھی دلالت لفظیہ طبعیہ ہے۔

﴿الدرس الخامس﴾

دلالت لفظیہ وضعیہ کی اقسام

دلالت لفظیہ وضعیہ کی تین اقسام ہیں:

(۱) دلالت مطابقی (۲) دلالت تضمنی (۳) دلالت التزامی

جب ہم کسی ایسے لفظ کو جو کسی چیز کے لیے طے ہوتا ہے بولتے ہیں تو اس کی تین شکلیں ہوتی ہیں:

(۱) کبھی ہم کوئی لفظ بول کر مکمل وہی چیز مراد لیتے ہیں جس کے لیے اس کو وضع کیا گیا۔

(۲) کبھی ہم کوئی لفظ بول کر اس چیز کا جزو مراد لیتے ہیں جس کے لیے اسے وضع کیا گیا۔ ان دونوں صورتوں کو روزمرہ زندگی کے اعتبار سے یوں سمجھا جا سکتا ہے مثلاً جب آپ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے تیسیر المنطق فلاں استاذ سے، قدوری فلاں استاذ سے، اور ہدایۃ النحو فلاں استاذ سے پڑھی ہے۔ تو اس کا مطلب ہے کہ آپ نے ان اساتذہ کرام سے یہ کتابیں مکمل طور پر پڑھی ہیں۔ بخلاف اس کے کہ اگر آپ یوں کہیں آج صبح میں نے ''کافیہ'' کا مطالعہ کیا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ آپ نے اس کتاب کے کچھ حصے کا مطالعہ کیا ہے۔ اول صورت دلالت مطابقی کہلاتی ہے کہ جس میں آپ نے لفظ بول کر مکمل وہی چیز مراد لی جس کے لیے وہ لفظ وضع کیا گیا اور دوسری صورت دلالت تضمنی کہلاتی ہے کہ جس میں لفظ بول کر اس چیز کا

بعض مراد لیا گیا جس کے لیے وہ لفظ وضع کیا گیا تھا۔

مزید آسانی کے لیے ایک اور مثال سمجھ لیں۔ اگر آپ یہ کہیں کہ آج گوجرانوالہ بارش ہوئی ہے تو اس کا مطلب یہ لیا جائے گا کہ پورے گوجرانوالہ شہر میں بارش ہوئی ہے اور اگر آپ سے کوئی پوچھے کہ آپ کہاں کے رہنے والے ہیں اور آپ کہیں کہ گوجرانوالہ کے تو مراد اس سے گوجرانوالہ شہر کا ایک خاص محلہ ہوگا۔ یہاں پہلی صورت دلالتِ مطابقی کی اور دوسری صورت دلالتِ تضمنی کی ہے۔

(۳) اسی طرح کبھی ہم ایک لفظ بول کر وہ چیز جس کے لیے وہ بنے ہے بالکل مراد نہیں لیتے نہ کل نہ جزو بلکہ اس لفظ کے بولنے سے ذہن کسی اور ایسے معنی کی طرف چلا جاتا ہے جو معنی اس لفظ کے مدلول کو لازم ہو جیسے ہم کہتے ہیں کہ زید تو حاتم طائی ہے۔ اب یہاں حاتم طائی کا لفظ بولنے سے ذہن اس کے لزومی معنی کی طرف جاتا ہے مراد یہ ہوا کہ زید بڑا سخی ہے تو یہ دلالت التزامی ہے۔

فائدہ: دلالت التزامی میں دو چیزیں ہوتی ہیں۔

(۱) ملزوم: جس کے لیے کوئی چیز ضروری ہو۔

(۲) لازم: جو کسی کے لیے ضروری ہو جیسے نکٹا ملزوم ہے اور ناک اس کے لیے لازم ہے، کیونکہ نکٹا ہونے کے لیے ناک کا ہونا ضروری ہے بغیر ناک کے نکٹا کیسے ہوگا۔ اسی طرح نابینا ملزوم ہے اور آنکھ لازم ہے، نابینا ہونے کے لیے آنکھ کا ہونا ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ کسی دیوار کو نکٹا یا نابینا نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ نکٹا ہونے کا مطلب ہے کہ ناک ہو پھر کٹ گئی ہو اور نابینا ہونے کا مطلب ہے کہ آنکھ ہو سکتی ہو پھر نہ ہوئی ہو اور یہ دونوں باتیں دیوار میں ناممکن ہیں۔

تعریفات

(۱) دلالت مطابقی: وہ دلالت کہ جس میں لفظ بول کر پورا معنی موضوع لہ مراد لیا جائے۔ دلالت مطابقی کہلاتی ہے۔

(۲) دلالت تضمنی: وہ دلالت کہ جس میں لفظ بول کر معنی موضوع لہ کا جزو مراد لیا جائے دلالت تضمنی کہلاتی ہے۔

(۳) دلالت التزامی: وہ دلالت کہ جس میں لفظ ایسے معنی پر دلالت کرے جو لفظ کے اصل معنی کے علاوہ ہو لیکن وہ اس اصل معنی کو لازم ہو۔

کتاب میں مذکور مثال کی تشریح:

مناطقہ حضرات کہتے ہیں کہ انسان کا مکمل معنی وہ ہے جس میں دو چیزیں ہوں (۱) حیوان (۲) ناطق، اب اگر انسان بول کر دونوں اجزاء کو مراد لیا جائے تو دلالت مطابقی بنے گی اور اگر ان دو اجزاء میں سے کسی ایک کو مراد لیا جائے گا تو یہ دلالت تضمنی ہے۔ اور چونکہ حیوان ناطق کے لیے علم و کتابت لازم ہے اس لیے کہ حیوان ناطق کا مطلب ہے ایسا حیوان جو عقل و شعور رکھتا ہو مثلاً اگر کوئی کہے کیا میں پڑھ لکھ سکتا ہوں تو آپ فوراً کہیں گے کیوں نہیں، آپ انسان ہیں آپ میں پڑھنے لکھنے کی صلاحیت موجود ہے تو معلوم ہوا کہ علم و کتابت انسان ہونے کے لوازمات میں سے ہے۔ لہذا انسان کی علم و کتابت پر دلالت، دلالت التزامی ہے۔

☆التمرین☆

[illegible] دال مدلول لکھے جاتے ہیں ان میں دلالت کی قسمیں بتاؤ

(۱) [illegible]

جواب: ''نابینا'' دال ہے جبکہ'' آنکھ'' مدلول ہے اور یہ دلالت التزامی ہے۔

(۲) لنگڑا، ٹانگ

جواب: ''لنگڑا'' دال ہے اور'' ٹانگ'' مدلول ہے اور یہ بھی دلالت التزامی ہے۔

(۳) درخت، شاخیں

جواب: ''درخت'' دال ہے اور'' شاخیں'' مدلول ہیں اور دلالت تضمنی ہے مثلاً کوئی شخص درخت کی شاخیں پکڑ کر کھڑا ہو اور وہ یوں کہے میں نے درخت کو پکڑا ہوا ہے تو یہ دلالت تضمنی بنی کیونکہ اس نے درخت بول کر اس کا جزو (شاخیں) مراد لیا۔

(۴) نکٹا، ناک

جواب: ''نکٹا'' دال ہے اور'' ناک'' مدلول ہے جبکہ دلالت التزامی ہے۔

(۵) ہدایہ، کتاب الصوم

جواب: ''ہدایہ'' دال ہے اور'' کتاب الصوم'' مدلول ہے اور دلالت تضمنی ہے۔

(۶) ہدایۃ النور، مقصد اول

جواب: ''ہدایۃ النور'' دال ہے اور'' مقصد اول'' مدلول ہے اور دلالت تضمنی ہے کیونکہ پوری کتاب بول کر اس کا ایک حصہ مراد لیا گیا ہے مثلاً آپ نے ''ہدایۃ النور'' کے مقصدِ اول کا مطالعہ کیا ہو تو آپ کہتے ہیں آج میں نے ہدایۃ النور کا مطالعہ کیا ہے۔

(۷) چاقو، اس کا دستہ

جواب: چاقو دال ہے اور اس کا دستہ مدلول ہے اور دلالت تضمنی ہے بایں طور کہ اگر آپ کے ہاتھ میں چاقو کا دستہ ہو اور آپ کہیں کہ میرے ہاتھ میں چاقو ہے تو چاقو بول کر اس کا جزو مراد لیا گیا ہے۔

﴿الدرس السادس﴾

مفرد ومرکب

مفرد: اگر جزءِ لفظ جزءِ معنیٰ مقصودی پر دال نہ ہوتو وہ مفرد ہے۔

مرکب: اگر جزءِ لفظ جزءِ معنیٰ مقصودی پر دال ہوتو وہ مرکب ہے۔

لہٰذا مرکب کے تحقق کے لیے چار شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے:

(۱) جزءِ لفظ ہو (۲) جزءِ معنیٰ ہو (۳) جزءِ لفظ جزءِ معنیٰ پر دال ہو (۴) جزء لفظ کی دلالت معنیٰ مقصودی پر ہو بصورت دیگر وہ کلمہ مفرد ہے۔

تشریح: مفرد ومرکب ہونے کا انحصار صرف الفاظ وکلمات کے تعدد پر نہیں بلکہ معنیٰ کے تعدد پر ہے اگر کلمات دو یا دو سے زیادہ ہوں مگر معنیٰ فقط ایک ہی مراد ہوتو اسے مفرد کہیں گے جیسے کسی کا نام ''اسعد محمود'' ہوتو اب دو کلمات بول کر معنیٰ صرف ایک ہی مراد لیا گیا ہے۔ یعنی اس کی ذات کے لیے یہ مفرد ہوگا، اسی طرح اگر تین کلمات ہو جائیں جیسے کسی کا نام ''محمد احمد انور'' رکھ دیا جائے تو بھی یہ مفرد ہی ہوگا کیونکہ یہاں تینوں کلمات سے مراد صرف ایک ہی شخص ہے اسی طرح اگر ایک لفظ ہو لیکن دو معنوں پر دلالت کرے تو بھی مفرد ہی ہوگا جیسے انسان بول کر حیوان اور ناطق دو علیحدہ علیحدہ معنیٰ مراد لینا یہ بھی مفرد ہے، لہٰذا مرکب ہونے کے لیے شرط یہ ہوئی کہ الفاظ بھی متعدد ہوں اور معانی بھی۔

☆التمرین☆

ان مثالوں میں بتاؤ کون مفرد ہے اور کون مرکب

(۱) احمد　　جواب: یہ مفرد لفظ ہے اور اس کے اجزاء معنی دار نہیں۔

(۲) مظفر نگر　　جواب: مفرد ہے اس لیے کہ یہ ایک شہر کا نام ہے۔

(۳) اسلام آباد　　جواب: مفرد ہے۔ ایضاً

(۴) عبدالرحمٰن　　جواب: اگر کسی کا علَم ہو تو یہ مفرد ہے اور اگر عبدِ رحمٰن مراد ہو تو مرکب ہے۔

(۵) ظہر کی نماز　　جواب: مرکب ہے اس لیے کہ ظہر سے معین وقت مراد ہے اور نماز سے مخصوص عبادت مراد ہے۔ لہٰذا اجزاءِ لفظ جزءِ معنی پر دال ہے۔

(۶) رمضان کا روزہ　　جواب: مرکب ہے اس لیے کہ رمضان کی دلالت اسلامی مہینوں میں سے ایک خاص مہینہ پر ہے اور روزہ ایک مخصوص عبادت پر دلالت کرتا ہے۔

(۷) ماہ رمضان

جواب: اگر عبداللہ (جو کسی کا نام ہو) کی طرح ہو تو مفرد ہے اس صورت میں اس کی دلالت مخصوص تیس یا انتیس ایام پر ہوگی اور اگر مرادِ متکلم میں اجزاء کا معنی الگ الگ ہو تو مرکب ہے۔

(۸) جامع مسجد　　جواب: اس میں بھی متکلم کی نیت کا اعتبار کیا جائے گا اگر اس کی دلالت ایک مخصوص مقام پر ہو تو مفرد ہے اور اگر جامع اور مسجد سے علیحدہ علیحدہ مراد لی جائے تو مرکب ہے۔

(۹) دہلی کی جامع مسجد خدا کا گھر ہے۔

جواب: مرکب ہے اس لیے کہ جزءِ لفظ جزءِ معنی پر دال ہے۔

﴿الدرس السابع﴾

کلّی جزئی کی بحث

کسی لفظ کے بولتے ہی جو کچھ ذہن میں آتا ہے اسے اس لفظ کا مفہوم کہا جاتا ہے مثلاً فرس کا لفظ بولنے سے ذہن میں اس کا جو کچھ تصور آیا یہ اس کا مفہوم ہے، مفہوم کی دو قسمیں ہیں: (۱) کلی (۲) جزئی۔

کلی: اگر مفہوم ایسا ہو کہ بہت سے افراد پر صادق آسکتا ہو وہ کلی ہے جیسے انسان کہ زید، عمرو، بکر وغیرہ سب افراد پر صادق آرہا ہے۔

جزئی: اگر مفہوم ایسا ہو کہ فقط ایک معین فرد ہی پر صادق آسکے تو وہ جزئی ہے جیسے زید ایک خاص شکل وصورت اور خاص ڈیل ڈول والے آدمی کا نام ہے۔

فائدہ نمبر (۱): بعض الفاظ ایسے ہوتے ہیں کہ ظاہراً دیکھنے والا انہیں جزئی سمجھتا ہے لیکن حقیقت میں وہ کلی ہوتے ہیں مثلاً سورج اور چاند، ظاہر یہی ہے کہ یہ جزئی ہوں کیونکہ لفظ سورج یا چاند بولنے کے بعد ہمارا ذہن صرف ایک ہی چیز کی طرف جاتا ہے لہٰذا یہ جزئی ہوا۔ یہ غلط فہمی اس لیے پیدا ہوئی کہ ابھی تک ہمارے علم کے مطابق اس دنیا کے اندر صرف ایک سورج پایا جاتا ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ سورج ایک مفہوم کلی کا نام ہے کہ جس کے بہت سے افراد ہو سکتے ہیں اگرچہ اس کا ابھی تک صرف ایک ہی فرد وجود میں آیا ہے لیکن اگر اس طرح کے اور کئی اجسام وجود میں آ گئے تو ان کا نام بھی سورج ہی رکھا جائے گا جیسے فرض کریں اگر دنیا کے

اندر صرف ایک پنکھا ہو اور لفظ پنکھا بولتے ہی سب کا ذہن اسی کی طرف جائے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہ ہوگا کہ پنکھا جزئی ہے بلکہ اسی ترتیب اور انہی اجزاء کے ملنے سے جب اس جیسی اور کوئی چیز وجود میں آئی تو اس کا نام بھی پنکھا ہی رکھا جائے گا وغیرہ ذالک۔

فائدہ نمبر (۲): مذکورہ بالا تقریر سے یہ اشکال ہوتا ہے کہ پھر تو لفظ زید بھی کلی ہونا چاہیے اس لیے کہ آپ نے ایک قد و قامت والے آدمی کا نام زید رکھا، ہوسکتا ہے بعینہ اسی طرح کا آدمی آئندہ زمانہ میں پیدا ہو جائے تو اسے بھی زید کہنا پڑے گا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات محالات عقلیہ میں سے ہے کہ کوئی فرد پیدا ہو اور وہ قد و قامت، ذہانت، شکل و صورت، استعداد و قابلیت، سوچ و فکر، انداز گفتگو اور کردار غرضیکہ ہر لحاظ سے بعینہ زید جیسا ہو اس لیے ابتدائے ازل سے لے کر اب تک جتنے انسان بھی پیدا ہوئے ان میں سے کوئی ایک بھی سو فیصد دوسرے کے مشابہ پیدا نہیں ہوا۔ لہٰذا یہ اشکال فی غیر محلہ ہے۔

فائدہ نمبر (۳): منطقی حضرات کی کلی و جزئی تقریباً ایسے ہی ہے جیسے نحویوں کا نکرہ و معرفہ۔ نکرہ بمنزلہ کلی کے ہے اور معرفہ بمنزلہ جزئی کے۔ جن طریقوں سے نکرہ معرفہ بنایا جا سکتا ہے انہی طریقوں سے کلی کو جزئی بنایا جا سکتا ہے۔ مثلاً اسم اشارہ لانے سے۔ جیسے کرسی "کلی" ہے اور ھذا کرسی "جزئی" ہے۔ ندا سے۔ جیسے غلام سے یا غلام، الف لام داخل کرنے سے۔ جیسے مروحۃ سے المروحۃ وغیرہ۔

☆التمرین☆

مندرجہ ذیل اشیاء میں غور کر کے بتاؤ کون کلی اور کون جزئی ہے۔

(۱) گھوڑا جواب: کلی ہے۔

(۲) بکری جواب: کلی ہے۔

(۳) میری بکری جواب: جزئی ہے بوجہ اضافت کے

(۴) زید کا غلام جواب: جزئی ہے بوجہ اضافت کے

(۵) سورج جواب: کلی ہے۔

(۶) یہ سورج جواب: جزئی ہے کیونکہ اسم اشارہ لانے کی وجہ سے تعیین آ گئی۔

(۷) آسمان جواب: کلی ہے۔

(۸) یہ آسمان جواب: جزئی ہے کیونکہ اسم اشارہ لانے کی وجہ سے تعیین آ گئی۔

(۹) سفید چادر جواب: کلی ہے۔

(۱۰) سیاہ کرتہ جواب: کلی ہے۔

(۱۱) ستارہ جواب: کلی ہے۔

(۱۲) دیوار جواب: کلی ہے۔

(۱۳) یہ مسجد جواب: یہ جزئی ہے اسم اشارہ لانے کی وجہ سے

(۱۴) میرا قلم جواب: یہ جزئی ہے اضافت کی وجہ سے

﴿الدرس الثامن﴾

حقیقت و ماہیتِ شئے کی بحث اور کلی کی اقسام

جب بھی کسی لفظ کو بولا جاتا ہے تو وہاں تین چیزیں ہوتی ہیں (۱) وہ لفظ جو ہم نے سنا (۲) اس لفظ کو سن کر جو تصور ہمارے ذہن میں گزرا (۳) خود وہ چیز جس کا تصور گزرا جیسے گھڑی اب اس میں تین چیزیں ہیں: (۱) تین حروف (گھ، ڑ، ی) پر مشتمل لفظ (۲) وہ مفہوم جو یہ لفظ سن کر ہمارے ذہن میں آیا (۳) خود وہ گھڑی۔

اول کو لفظ ثانی کو مفہوم اور ثالث کو مصداق کہتے ہیں۔

مناطقہ حضرات صرف ثانی یعنی مفہوم سے بحث کرتے ہیں کیونکہ منطقیوں کی بحث عقلی چیزوں سے ہوتی ہے اور عقلی چیز صرف مفہوم ہے اس لیے کہ لفظ کا تعلق زبان کے ساتھ ہے عقل کے ساتھ نہیں اور مصداق (بعینہٖ اسی چیز) کا تعلق خارج کے ساتھ ہے۔

کلی وہ چیز ہے جو اس کے مفہوم میں پائی جاتی ہے لہٰذا تمام جانوروں کے اندر جانور کا معنی ہونا جانوروں کی کلی ہے۔

کسی بھی شے کی حقیقت و ماہیت اس کے وہ اجزاء ہیں جن سے مل کر وہ چیز بنے، اگر ان میں سے کوئی ایک چیز بھی کم ہو جائے تو وہ چیز چیز نہ رہے۔ جیسے گھڑی کے مختلف اجزاء اور پرزے جن سے مل کر گھڑی بنتی ہے اور اجزاء گھڑی کی حقیقت

وماہیت ہیں، اگران اجزاء میں سے کوئی پرزہ نہ رہے تو گھڑی گھڑی نہ رہے گی۔ پھر یہی چیزیں جن سے مل کر یہ چیز بنی ہے اگر بہت سی جگہوں میں پائی جائیں یا پائی جاسکیں تو اسی کا نام کلی ہے جیسے انسان کی حقیقت حیوان ناطق بہت سے افراد میں پائی جاتی ہے۔ لہٰذا یہ کلی ہے اور یہ چیزیں صرف ایک ہی شے کے اندر پائی جائیں تو وہ جزئی ہے جیسے زید اس کی حقیقت دو اشیاء پر مشتمل ہے؛ حیوان ناطق پر اور خاص شکل وصورت پر، ان دونوں کا مجموعہ کہیں اور نہیں پایا جاتا لہٰذا زید جزئی ہے۔

کلی کی اقسام:

کلی کی دو قسمیں ہیں:

(۱) کلی ذاتی (۲) کلی عرضی

دنیا کے اندر پائی جانے والی ہر چیز کے اندر بعض پرزے ایسے ہوتے ہیں جن پر اس چیز کے بننے کا مدار ہوتا ہے، ان کے بغیر وہ چیز بن ہی نہیں سکتی اور بعض چیزیں ایسی ہیں کہ جن چیزوں کا بننا تو موقوف نہیں ہوتا لیکن جب چیزیں تیار ہو جاتی ہیں تو وہ ان کے لیے لازم ہو جاتی ہیں۔ اول چیزیں ذاتی کہلاتی ہیں اور ثانی عرضی کہلاتی ہیں۔ جیسے آم کا درخت، اس کے اندر دو چیزیں ہیں، ایک اس کا جسم جو جڑ، تنے ،شاخوں اور پتوں پر مشتمل ہے جن سے مل کر یہ درخت بنا ہے، یہ چیزیں آم کے لیے ذاتیات ہیں دوسرا اس کے پھل کا کھٹا میٹھا ہونا اس کے لیے عارض ہے اس پر اس کا وجود موقوف نہیں۔

اسی طرح اسم یا فعل کے اندر ہر ایک کا معرب یا مبنی ہونا ضروری ہے لیکن یہ معرب یا مبنی ہونا اس کی ذات میں داخل نہیں۔ بلکہ اسم کی ذاتیات میں تین

چیزیں داخل ہیں: (۱) بامعنی ہونا (۲) معنی مستقل ہونا (۳) زمانے کا نہ پایا جانا۔

اسی طرح فعل کے اندر بھی تین چیزیں ہیں۔ (۱) بامعنی ہونا (۲) معنی مستقل ہونا (۳) زمانے کا پایا جانا۔ لہذا یہ چیزیں ذاتیات ہیں اور معرب ومبنی ہونا عرضی ہے۔

اب جب مناطقہ نے انسان کی حقیقت معلوم کی اور اس کے اندر بھی انہیں کچھ چیزیں ایسی ملیں جن پر انسان کا وجود موقوف ہے جیسے حیوان اور ناطق اور بعض چیزیں ایسی ملیں کہ جن پر انسان کا وجود تو موقوف نہیں لیکن وہ انسان کو لازم ہیں جیسے ضاحک، سامع تو پہلی کا نام انہوں نے ذاتیات رکھا اور دوسری کا نام عرضیات رکھا۔

سوال: انسان کے اعضاء مثلاً ہاتھ، پاؤں، ناک، کان وغیرہ ایسے اجزاء ہیں کہ جن پر انسان کا وجود موقوف ہے، ان کے بغیر انسان انسان نہیں رہتا لیکن مناطقہ نے ان کو انسانی ذاتیات میں سے شمار نہیں کیا اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: یہ بات درس کے شروع میں بتائی گئی ہے کہ مناطقہ حضرات صرف ان چیزوں سے بحث کرتے ہیں جن کا تعلق عقل سے ہوتا ہے جبکہ ان اعضاء کا تعلق خارج سے ہے کیونکہ یہ لفظ انسان کا مصداق ہیں اور مصداق کا وجود خارجی ہوتا ہے۔

فائدہ: یہاں ناطق بمعنی عقل سے مراد خاص عقل ہے جس کی وجہ سے انسان مکلّف ٹھہرا ورنہ قدرے عقل تو دیگر جانوروں میں بھی ہوتی ہے۔

کلی ذاتی: پھر وہی اجزاء جو ذاتی ہیں اگر ایک عدد کے ساتھ خاص نہیں بلکہ کئی عددوں میں پائے جاتے ہیں تو یہ کلی ذاتی ہے جیسے حیوان ناطق ہونے کی صفت انسان کے لیے

کلی ذاتی ہے۔

کلی عرضی: اور وہ اجزاء جو عرضی ہیں اگر ایک عدد کے ساتھ خاص نہ ہوں بلکہ کئی عددوں کے اندر پائے جائیں تو یہ کلی عرضی ہے جیسے صفت ضاحک انسان کے لیے کلی عرضی ہے۔

☆التمرین☆

سوال: اشیاءذیل میں سمجھو کہ کون سی کلی کس کے لیے ذاتی وعرضی ہے۔

ا۔جسم نامی، درخت انار

جواب: جسم نامی انار کے لیے کلی ذاتی ہے۔ذاتی اس لیے کہ درخت کے اندر دو چیزیں ایسی ہیں جن پر درخت کا بننا موقوف ہے (ا) جسامت (۲) نمو، گویا جسم نامی درخت انار کی ذات میں شامل ہوا، اور کلی اس لیے کہ یہ مفہوم صرف انار کے ساتھ خاص نہیں بلکہ دیگر درختوں کے اندر بھی پایا جاتا ہے۔

(۲) میٹھا انار جواب: میٹھا ہونا انار کے لیے عرضی ہے۔

(۳) سرخ انار جواب: سرخ ہونا انار کے لیے عرضی ہے۔

(۴) حیوان، فرس جواب: حیوان فرس کے لیے کلی ذاتی ہے کیونکہ حیوان فرس کی حقیقت کے دو اجزاء میں سے ایک جزو ہے۔

(۵) قوی گھوڑا جواب: قوی ہونا گھوڑے کے لیے کلی عرضی ہے، عرضی اس لیے کہ قوی ہونا گھوڑے کے وجود پر موقوف نہیں اور کلی اس لیے کہ قوی ہونے کا امکانی مفہوم گھوڑے کے ساتھ خاص نہیں۔

(۶) کشادہ، مسجد جواب: کشادہ عرضی ہے مسجد کے لیے کیونکہ مسجد کا وجود اس کے کشادہ

ہونے پر موقوف نہیں۔

(۷) جسم، پتھر　　جواب: جسم پتھر کے لیے کلی ذاتی ہے، ذاتی اس لیے کہ جسم کا پتھر ہونا پتھر کی حقیقت میں شامل ہے اور کلی اس لیے کہ یہ مفہوم پتھر کے ساتھ خاص نہیں۔

(۸) سخت، پتھر　　جواب: سخت کلی عرضی ہے۔ پتھر کے لیے۔

(۹) لوہا، چاقو　　جواب: لوہا چاقو کے لیے کلی ذاتی ہے، ذاتی اس لیے کہ لوہا چاقو کے دو پرزوں (لکڑی، لوہا) میں سے ایک پرزہ ہے اور کلی اس لیے کہ یہ لوہا صرف چاقو کے ساتھ خاص نہیں۔

(۱۰) تیز، چاقو　　جواب: تیز کلی عرضی ہے چاقو کے لیے کیونکہ چاقو کا وجود اس کے تیز ہونے پر موقوف نہیں۔ بلکہ اگر تیز نہ بھی ہو تو چاقو کہلائے گا۔

(۱۱) تیز، تلوار　　جواب: تیز کلی عرضی ہے تلوار کے لیے۔ ایضاً

☆☆☆☆

﴿الدرس التاسع﴾

ذاتی اور عرضی کی قسمیں

ابتداء کلی کی دو قسمیں ہیں:

(۱) کلی ذاتی (۲) کلی عرضی

کلی ذاتی کی تین قسمیں ہیں:

(۱) جنس (۲) نوع (۳) فصل

اور کلی عرضی کی دو قسمیں ہیں:

(۱) خاصہ (۲) عرض عام

ان پانچ اقسام کو سمجھنے کے لیے ایک حسی مثال کا جاننا ضروری ہے، ایک لفظ جس کا مفہوم بہت ساری اشیاء کے اندر پایا جاتا ہے۔ وہ سب ایک طرح کی ہوتی ہیں یا مختلف طرح کی مثلاً درخت ایک لفظ ہے اس کا مفہوم کلی ہے اور یہ مفہوم درخت کے اندر پائے جانے والے تمام افراد پر صادق آتا ہے۔ کیونکہ درخت کے اندر ''درختیت'' کا ہونا ضروری ہے ورنہ تو وہ درخت درخت ہی نہ رہے گا۔ اب یہ مفہوم جن افراد پر صادق آرہا ہے وہ سب ایک طرح کے نہیں بلکہ کوئی انار کا درخت ہے کوئی سیب کا درخت ہے کوئی آم کا درخت ہے وغیرہ۔ تو ایسا مفہوم جو ایسے کثیر افراد پر صادق آئے جو آپس میں ایک طرح کے ہوں جنس کہلاتا ہے اور اگر مفہوم ایسا ہو کہ صادق تو بہت سی چیزوں پر آئے لیکن وہ سب چیزیں ایک ہی طرح کی ہوں تو وہ نوع

ہے جیسے سیب کا درخت ۔ اب یہ مفہوم بھی بہت سے افراد پر صادق آرہا ہے لیکن وہ سب افراد (سیب کے درخت کے افراد) ایک جیسے ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب درخت ہونے میں تمام اقسام شریک ہیں تو وہ کون سی چیز ہے جس کی وجہ سے درختوں کی مختلف قسمیں بن گئیں ۔ اس کا جواب آسان ہے کہ ہر درخت کے اندر چند مخصوص خصوصیات ہیں مثلاً رنگ، سائز، پھلوں کا ذائقہ وغیرہ جن کی وجہ سے وہ درخت دوسرے درختوں سے ممتاز ہو جاتا ہے۔ یہی مخصوص خصوصیات ''فصل'' ہیں۔ فصل بھی کلی ہے اس لیے کہ ایک خاص قسم کے تمام افراد میں پائی جاتی ہے۔

تعریفات

(۱) **جنس:** جنس وہ مفہوم ہے جو ایسی چیزوں میں پایا جائے جو ایک طرح کی نہ ہوں ۔ جیسے حیوان ۔ حیوان کا مفہوم جس طرح انسان پر صادق آتا ہے اسی طرح غنم، فرس، وغیرہ پر بھی صادق آتا ہے۔

(۲) **نوع:** نوع وہ مفہوم ہے جو ایسی چیزوں کے اندر پایا جائے جو ایک طرح کی ہوں جیسے انسان، انسان کا مفہوم صرف ان افراد پر صادق آتا ہے جن کی حقیقت حیوان ناطق ہے۔

(۳) **فصل:** فصل وہ مفہوم ہے جو ایک ہی طرح کی چیزوں کے اندر پایا جائے اور اس کو دیگر چیزوں سے ممتاز کردے جیسے ناطق ہونا انسان کے لیے فصل کا درجہ رکھتا ہے یہ اسے حیوان کے دیگر تمام افراد جیسے غنم، فرس وغیرہ سے ممتاز کرتا ہے۔

فائدہ: جنس کے مفہوم میں فصل کا مفہوم ملنے سے نوع تیار ہوتی ہے جیسے زید کی

نوع حیوان ناطق ہے اس میں حیوان جنس ہے اور ناطق فصل ہے۔ حیوانِ ناطق کا مختصر نام انسان ہے۔

اسی طرح درختوں میں چند اہم مفہوم ایسے ہوتے ہیں جو درختوں کے مکمل ہو جانے کے بعد سامنے آتے ہیں جیسے پھل لانے کا مفہوم اور اگر مفہوم ایک ہی طرح کی چیزوں کے اندر پایا جائے تو خاصہ کہلاتا ہے۔ جیسے آم کے درخت کے اندر آم ہی کے پھل لانے کا مفہوم، انار کے درخت کے اندر انار ہی کا پھل لانے کا مفہوم۔ اور اگر یہ مفہوم مختلف قسم کی چیزوں کو پیش آئے تو عرض عام ہے جیسے مطلق پھل لانے کا مفہوم، یہ مفہوم ہر پھل دار درخت کے اندر پایا جاتا ہے۔

تعریفات

(۱) خاصہ: وہ مفہوم جو بہت سی اشیاء میں پایا جائے لیکن حقیقت میں داخل نہ ہو اور ان تمام اشیاء کی حقیقت بھی ایک ہو تو اسے خاصہ کہتے ہیں جیسے ضاحک یہ صرف انسان کے افراد پر صادق آتا ہے۔

(۲) عرض عام: وہ مفہوم جو بہت سی اشیاء میں پایا جائے لیکن ان کی حقیقت میں داخل نہ ہو اور ان اشیاء کی حقیقت بھی مختلف ہو تو اسے عرض عام کہتے ہیں جیسے مواشی یہ مفہوم صرف انسان پر نہیں بلکہ غنم، فرس وغیرہ پر بھی صادق آتا ہے۔

☆التمرین☆

سوال: امثلہ ذیل میں دو دو اشیاء لکھی جاتی ہیں ان میں غور کر کے بتاؤ کہ اول شے دوسری کے لیے جنس ہے یا نوع ہے یا فصل یا خاصہ یا عرض عام۔

(۱) حیوان، فرس **جواب:** حیوان فرس کے لیے جنس ہے۔

(۲) فرس، صاہل **جواب:** صاہل فرس کا فصل ہے۔

(۳) انسان، کاتب **جواب:** کاتب انسان کا خاصہ ہے۔

(۴) انسان، قائم **جواب:** قائم انسان کے لیے عرض عام ہے اس لیے کہ قیام والی صفت انسانوں کے علاوہ دیگر جانوروں کے اندر بھی پائی جاتی ہے۔

(۵) جسم نامی، شجر انار

جواب: جسم نامی شجر انار کے لیے ''نوع'' ہے اس لیے کہ انار کا درخت جن دو اجزاء سے مل کر بنتا ہے یہی دو ہیں (۱) جسم (۲) نامی۔ جیسے زید کے لیے انسان

(۶) حیوان، حساس **جواب:** حساس حیوان کا فصل ہے جیسے ناطق انسان کا فصل ہے۔

(۷) جسم مطلق، فرس **جواب:** جسم مطلق فرس کے لیے جنس ہے۔

(۸) غنم، ماشی **جواب:** ماشی غنم کے لیے عرض عام ہے۔

(۹) حمار، ناھق **جواب:** ناھق حمار کی فصل ہے۔

(۱۰) انسان، ہندی **جواب:** ہندی انسان کے لیے عرض عام ہے۔

فائدہ: جنس کے مختلف درجات ہیں کیونکہ یہ مختلف قسم کی اشیاء پر صادق آتی ہے۔ نچلی جنس اوپر والی جنس کے تحت پائی جاتی ہے جیسے ایک ملک کے اندر مختلف درجات ہوتے ہیں مثلاً صوبہ، ڈویژن، ضلع، تحصیل، اور ہر چھوٹا درجہ بڑے درجے کے تحت پایا جاتا ہے۔ جنس کے چار درجے ہیں:

(۱) حیوان (۲) جسم نامی (۳) جسم مطلق (۴) جوہر۔

حیوان کا مطلب ہے جاندار جسم والا ہونا، جسم نامی کا مطلب ہے بڑھنے والا جسم، جسم مطلق کا مطلب ہے مطلق جسم خواہ بڑھے یا نہ بڑھے اور جوہر اس چیز کو کہتے ہیں جو اپنے سہارے پر پائی جائے۔ جیسے عقل اور ہوا وغیرہ۔

﴿الدرس العاشر﴾

اصطلاح ماھو کا بیان

جیسے عام گفتگو کے اندر مختلف چیزوں اور انسانوں کے احوال معلوم کیے جاتے ہیں اور مختلف طریقے سے سوال کیے جاتے ہیں مثلاً کبھی ایک آدمی دوسرے سے سوال کرتے ہوئے کہتا ہے تو کون ہے؟ اور کبھی کہتا ہے تو کیسا ہے؟ تو ایک عام آدمی بھی سمجھتا ہے کہ دونوں سوالوں کا جواب مختلف ہے، پہلے سوال کا مطلب اپنی ذات کا تعارف کروانا اور دوسرے سوال کا مطلب مزاج کے بارے میں بتلانا ہے۔

اسی طرح منطق والے بھی اشیاء کے بارے میں سوال کرتے ہیں اور ان کا سوال دو طرح کے الفاظ کے ساتھ ہوتا ہے (۱) ماھو کے ساتھ (۲) ای شئی ھو فی ذاتہ کے ساتھ

ماھو : ماھو میں ما حرف استفہام ہے بمعنی کیا۔ اور ھو ضمیر سے وہ چیز مراد ہے جس کے بارے میں سوال کیا جارہا ہے۔ اگر وہ چیز واحد مذکر ہو تو ضمیر ''ھو'' اور اگر مؤنث ہے تو ضمیر ''ھی'' اور اگر دو چیزیں ہیں تو ضمیر ''ھما'' اگر کئی چیزیں ہوں تو کبھی ''ھم'' ضمیر لائی جاتی ہے جیسے الانسان والبقر والغنم ماھم اور کبھی ''ھی'' ضمیر لائی جاتی ہے جیسے الانسان والغنم، والشجر ماھی۔

ماھو کے ساتھ کس چیز کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے اس کا سمجھنا درج

ذیل تفصیل پر موقوف ہے۔

مناطقہ حضرات کے سوال کرنے کی چار شکلیں ہیں، اگر صرف ایک چیز کے بارے میں سوال کیا جائے تو اس کی دو شکلیں ہیں: (۱) وہ چیز جزئی ہوگی جیسے زید (۲) وہ چیز کلی ہوگی جیسے انسان، اگر وہ چیز جزئی ہوتو اس کا جواب وہ کلی ہوگی جس کی وہ جزئی ہے جیسے کہا جائے زید ماھو تو جواب آئے گا انسان اور اگر وہ چیز کلی ہوتو اس کے جواب میں وہ تمام اجزاء آئیں گے جن سے مل کر وہ کلی بنتی ہے۔ جیسے کہا جائے الانسان ماھو تو جواب ہوگا حیوان ناطق۔

اور اگر سوال کئی چیزوں کے بارے میں کیا جائے تو اس کی بھی دو صورتیں ہوں گی۔ ان تمام چیزوں کی حقیقت ایک ہوگی یا مختلف ہوگی، اگر ان سب کی حقیقت ایک ہے تو پھر سوال کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ سب چیزیں جس حقیقت میں اکٹھی ہیں اس کے متعلق بتاؤ جیسے کہا جائے زید وعمرو وبکر ماھم تو جواب ہوگا انسان یا حیوان ناطق اور اگر ان چیزوں کی حقیقت مختلف ہوتو سائل کا مقصد یہ ہوگا کہ ظاہراً تو یہ چیزیں مختلف نظر آرہی ہیں لیکن کیا ان کی حقیقتوں کے مختلف ہونے کے باوجود کوئی چیز ایسی ہے جس میں وہ اکٹھی ہوں جیسے سوال کیا جائے **الانسان والغنم والبقر ماھم** تو جواب ہوگا حیوان کیونکہ حیوان ہونے میں تینوں چیزیں مشترک ہیں۔

فائدہ نمبر ا: سوال کا جواب دینے میں اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ جواب میں جو جنس ہو وہ صرف انہی اشیاء کو شامل ہو جن کے بارے میں سوال کیا جارہا ہے، اس سے نچلی یا اوپر والی جنس نہ ہو جیسے سوال ہو **الانسان والبقر والغنمماھم** تو جواب میں حیوان کہنا چاہیے نہ کہ جسم نامی کیونکہ یہ شجر کو بھی شامل ہو جائے گا۔ اسی

طرح اگر سوال ہو الانسان والبقر والشجر ماھم تو جواب میں فقط جسم نامی کہا جائے گا، جسم یا حیوان نہ کہا جائے کیونکہ ''جسم'' کہنے سے پتھر بھی شامل ہو جائے گا اور حیوان کہنے سے شجر نکل جائے گا۔

فائدہ نمبر۲: اگر کئی چیزوں کے بارے میں سوال ہو تو ان تمام کے مشترک کو ذکر کرنا ضروری ہے۔ اس کا کوئی ایک جزو ذکر نہ کیا جائے ۔مثلاً اگر سوال ہو **الانسان والبقر والغنم ماھم** تو جواب حیوان سے دینا چاہیے اور حیوان درج ذیل اجزاء پر مشتمل ہے:

(۱) جسم (۲) نامی (۳) متحرک بالارادہ (۴) حساس، اب ان اجزاء میں سے کسی جزو کے ساتھ جواب نہ دیا جائے مثلاً **الانسان والبقر والغنم ماھم** کے جواب میں حساس یا متحرک بالارادہ کہنا صحیح نہیں۔

ایّ شیءٍ: ای شیء سے سوال کرنے کا مقصد ماھو کے برعکس ہوتا ہے، ای شی سے سوال کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ فلاں چیز جو دوسروں کے ساتھ شریک ہے اس کا وہ پرزہ (امتیازی وصف) بتاؤ جس سے یہ دوسری چیزوں سے ممتاز ہو جائے جیسے گھوڑے کے بارے پوچھا جائے ای شی ھو فی ذاتہ تو جواب میں صاہل آئے گا۔ اور اگر انسان کے بارے پوچھا جائے تو جواب میں ناطق آئے گا۔

فائدہ: ماھو کے ساتھ سوال کرتے وقت چیزوں کا فصل معلوم ہوتا ہے جنس کے بارے جاننا مقصود ہوتا ہے۔ جبکہ ای شی کے اندر جنس معلوم ہوتی ہے ان کا فصل معلوم کرنا مقصود ہوتا ہے۔

☆التمرین☆

سوال: اشیاء ذیل میں جو یکجا یا علیحدہ علیحدہ لکھی گئی ہیں ان کے جوابات بتاؤ۔ یعنی ہر سوال میں دو یا دو سے زیادہ چیزیں ہیں اگر ان کو لے کر سوال کیا جائے تو کیا جواب آ سکتا ہے۔

(۱) فرس، انسان	جواب: حیوان
(۲) فرس، غنم	جواب: حیوان
(۳) درخت، انگور، حجر	جواب: جسم مطلق
(۴) آسمان، زمین، زید	جواب: جسم مطلق
(۵) شمس، قمر، درخت، انبہ	جواب: جسم مطلق
(۶) مکھی، چڑیا، گدھا	جواب: حیوان
(۷) انسان	جواب: حیوان ناطق
(۸) فرس	جواب: حیوان صاہل
(۹) حمار	جواب: حیوان ناھق
(۱۰) بکری ا، اینٹ، پتھر، ستارہ	جواب: جسم مطلق
(۱۱) پانی، ہوا، حیوان	جواب: جوہر

الدرس الحادی عشر

جنس اور فصل کی اقسام

جنس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) جنس قریب (۲) جنس بعید

اور فصل کی بھی دو قسمیں ہیں:

(۱) فصل قریب (۲) فصل بعید

لفظ تقسیم کا لغوی معنی ہے بانٹنا۔ جس چیز کو بانٹا جاتا ہے اسے مقسم کہتے ہیں اور اس کے جو حصے بنائے جاتے ہیں وہ حصے قسم کہلاتے ہیں۔ اسی مقسم کو منطقی حضرات جنس اور قسم کو فصل کہتے ہیں مثلاً جو چیز منہ سے نکلتی ہے اسے لفظ کہتے ہیں۔ پھر یہ لفظ دو حصوں میں تقسیم ہوتا ہے۔ (۱) مہمل یعنی بے معنی (۲) کلمہ (بامعنی) اب یہاں لفظ مقسم ہے اور مہمل اور کلمہ اس کی اقسام ہیں تو گویا لفظ جنس ہوا اور مہمل اور کلمہ اس کی فصلیں ہوئیں۔ پھر یہ کلمہ مزید تقسیم ہوتا ہے اور اس کی تین قسمیں بنتی ہیں۔ اسم، فعل، حرف، اب یہاں کلمہ مقسم یعنی جنس بن گیا اور اسم، فعل، حرف اقسام یعنی فصلیں بن گئیں۔ اب یہاں اسم، فعل، حرف کا پہلا مقسم کلمہ ہے گویا یہ جنس قریب ہے اور دوسرا مقسم ''لفظ'' ہے، گویا یہ جنس بعید ہے۔ اور ادھر لفظ کی ابتدائی اقسام مہمل اور کلمہ ہیں۔ گویا یہ لفظ کی فصولِ قریب ہیں۔ اور دوسری اقسام اسم، فعل، حرف ہیں کیونکہ اسم، فعل، حرف کلمہ کی اقسام ہیں اور کلمہ لفظ کی قسم ہے تو یہ لفظ کے لیے فصل بعید ہیں۔

اب اسم مزید تقسیم ہوتا ہے معرب اور مبنی وغیرہ اب یہ مزید جتنا بھی تقسیم ہوگا۔ اسی اعتبار سے مقسم یعنی جنس اور قسم یعنی فصل بنتی چلی جائے گی۔

اسی طرح مناطقہ حضرات کے ہاں بھی تقسیم ہے، ان کے ہاں سب سے بڑی جنس جوہر ہے اس کی دو قسمیں ہیں: (۱) جسم (۲) غیر جسم جیسے باری تعالیٰ پھر جسم کی دو قسمیں ہیں: (۱) جسم نامی (۲) جسم غیر نامی پھر جسم نامی کی دو قسمیں ہیں (۱) حیوان (۲) غیر حیوان، پھر حیوان کی مزید بہت سی اقسام ہیں جیسے حیوان ناطق، حیوان ناھق، حیوان صاہل وغیرہ

تعریفات

جنس قریب: جنس قریب وہ جنس ہے کہ اس کی دو یا دو سے زیادہ جزئیات کو لے کر سوال کیا جائے تو جواب ایک ہی ہو جیسے حیوان جو انسان، گدھا، گھوڑا، وغیرہ کے لیے جنس قریب ہے۔ اس لیے کہ اگر ان افرادِ حیوان کو لے کر سوال کیا جائے تو جواب ہمیشہ حیوان ہوگا۔

جنس بعید: جنس بعید وہ جنس ہے کہ اس کے دو یا دو سے زیادہ افراد کو لے کر سوال کیا جائے تو کبھی وہ جواب واقع ہو کبھی کوئی اور۔ جیسے حیوان سے اوپر والی جنس جسم نامی۔ اس کے افراد انسان، غنم، فرس بھی ہیں اور شجر بھی۔ اگر سوال کیا جائے **الانسان والغنم والفرس ماھم** تو جواب حیوان آئے گا جو کہ ان کی جنس قریب ہے۔ اور اگر سوال ہو **الانسان والغنم، والشجر، ماھم** تو جواب جسم نامی آئے گا۔ خلاصہ یہ ہوا کہ جس جنس کے افراد ایسے ہوں کہ ان کے جواب میں ہمیشہ وہی جنس نہ آئے، جنس بعید کہلاتی ہے۔

فصل قریب : فصل قریب وہ فصل ہے کہ وہ اس ایک جزءکوان تمام اجزاء سے ممتاز کردے جوجنس قریب میں اس کے ساتھ شامل ہیں ۔جیسے ناطق انسان کے لیے فصل قریب ہے اس لیے کہ ناطق انسان کوان تمام افراد سے ممتاز کرتا ہے جوجنس قریب یعنی حیوانیت میں انسان کے شریک ہیں۔

فصل بعید : فصل بعید وہ فصل ہے کہ وہ ایک جز وان اجزاء سے ممتاز کرے جوجنس بعید میں اس کے ساتھ شریک ہیں جیسے حیوان کہنے سے انسان ،غنم ،بقر سے تو ممتاز نہیں ہوتا لیکن جنس بعید میں جو افراد شامل ہیں جیسے شجر وغیرہ ان سے ممتاز ہو جاتا ہے تو یہ فصل بعید ہوا۔

☆التمرین☆

سوال: امثلہ ذیل میں بتاؤ کون کس کے لیے جنس قریب ،جنس بعید،فصل قریب اور فصل بعید ہے۔

(۱)ناطق جواب: یہ انسان کا فصل قریب ہے۔

(۲)جسم جواب: انسان کے لیے فصل بعید بھی ہے اور جنس بعید بھی۔

(۳)جسم نامی جواب: یہ بھی انسان کے لیے فصل بعید بھی ہے اور جنس بعید بھی۔

(۴)ناھق جواب: یہ حمار کا فصل قریب ہے۔

(۵)صاھل جواب: یہ فرس کا فصل قریب ہے۔

(۶)حساس جواب: یہ انسان کا فصل بعید ہے۔

(۷)نامی جواب: یہ انسان کی جنس بعید ہے۔اور دیگر جانوروں مثلاً فرس،غنم ان سب کے لیے فصل بعید بھی ہے۔

الدرس الثانی عشر

دوکلیوں میں نسبت کا بیان

جب کلیوں کا باہم تقابل کیا جاتا ہے تو ان کے درمیان چار نسبتیں ہوتی ہیں۔
(۱) تساوی (۲) تباین (۳) عموم خصوص مطلق (۴) عموم خصوص من وجہ۔

ان چار نسبتوں کو سمجھنے کے لیے ایک مثال کا جاننا ضروری ہے۔

مثال: اگر ہم دو آدمیوں کے درمیان ان کے علم کے اعتبار سے تقابل کروائیں تو چار صورتوں میں سے کوئی ایک صورت ضرور ہوگی۔

(۱) دونوں کا علم برابر ہوگا۔ جیسے دونوں صرف حافظ قرآن ہوں گے یہ نسبت تساوی (برابر) کی ہے۔

(۲) دونوں کا علم مختلف ہوگا جیسے ایک ان میں سے دینی مدرسے کا طالب علم ہوگا اور ایک انگریزی تعلیم کا طالب علم ہے۔ یہ نسبت تباین (متضاد، مختلف) کی ہے۔

(۳) ایک کا علم دوسرے کے علم سے زیادہ ہوگا جیسے ایک حافظ بھی ہوگا اور عالم بھی جبکہ دوسرا فقط حافظ ہوگا۔ یہ نسبت عموم خصوص مطلق کی ہے۔

(۴) دونوں کے درمیان کچھ علم ایسا ہوگا جس میں دونوں شریک ہوں گے اور کچھ علم ایسا بھی ہوگا جس میں ہر ایک دوسرے سے جدا ہوگا۔ مثلاً دونوں حافظ تو ہوں گے لیکن ایک عربی علوم جانتا ہوگا اور دوسرا انگریزی علوم کا ماہر ہوگا۔ یہ نسبت

عموم خصوص من وجہ کی ہے۔

تعریفات

(۱) تساوی: تساوی دوکلیوں کے درمیان ایسی نسبت کو کہتے ہیں جس میں پہلی کلی کے تمام افراد دوسری کلی میں پائے جائیں اور دوسری کلی کے تمام افراد پہلی کلی میں پائے جائیں جیسے انسان اور ضاحک۔ انسان کے تمام افراد ضاحک کے افراد ہیں اور ضاحک کے تمام افراد انسان کے افراد ہیں۔

(۲) تباین: تباین دوکلیوں کے درمیان ایسی نسبت کو کہتے ہیں کہ جس میں پہلی کلی کا کوئی بھی فرد دوسری کلی کے اندر نہ پایا جائے اور نہ دوسری کلی کا کوئی فرد پہلی کلی کے اندر پایا جائے۔ جیسے انسان اور حجر۔

(۳) عموم خصوص مطلق: عموم خصوص مطلق دوکلیوں کے درمیان ایسی نسبت ہے کہ جس میں پہلی کلی کے تمام افراد دوسری کلی کے اندر پائے جائیں جبکہ دوسری کلی کے بعض افراد پہلی کلی کے اندر پائے جائیں اور بعض نہ پائے جائیں۔ جیسے انسان اور حیوان۔ انسان کے تمام افراد حیوان کے اندر شامل ہیں جبکہ حیوان کے بعض افراد زید، عمرو، بکر وغیرہ تو انسان کے اندر شامل ہیں اور بعض دیگر افراد غنم فرس وغیرہ انسان کے اندر شامل نہیں پہلی کلی کو اخص مطلق اور دوسری کلی کو اعم مطلق کہتے ہیں۔

عموم خصوص من وجہ: عموم خصوص من وجہ دوکلیوں کے درمیان ایسی نسبت کو کہتے ہیں کہ جس میں پہلی کلی کے بعض افراد دوسری کلی کے اندر پائے جائیں اور بعض نہ پائے جائیں، اسی طرح دوسری کلی کے بھی بعض افراد پہلی کلی کے اندر پائے جائیں اور [illegible] نہ پائے جائیں۔ جیسے حیوان اور ابیض۔ بعض چیزیں ایسی ہیں

جوحیوان بھی ہیں اورابیض بھی جیسے سفید بطخ اور بعض چیزیں ایسی ہیں جو حیوان تو ہیں ابیض نہیں ۔ جیسے سیاہ بھینس اور بعض چیزیں ایسی ہیں جو ابیض تو ہیں لیکن حیوان نہیں ۔جیسے سفید ٹوپی ،سفید انڈہ وغیرہ۔

☆التمرین☆

سوال:امثلہ ذیل کی کلیات میں نسبت بتاؤ۔

(۱) حیوان،فرس جواب:عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے حیوان اعم مطلق ہے جبکہ فرس اخص مطلق ہے۔

(۲) انسان،حجر جواب:تباین کی نسبت ہے۔

(۳) جسم،حمار جواب:عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے۔

(۴) حیوان،اسود جواب:عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہے۔

(۵) جسم نامی،شجرنخل جواب:عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے۔

(۶) حجر،جسم جواب:عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے۔

(۷) انسان،غنم جواب:تباین کی نسبت ہے۔

(۸) رومی،انسان جواب:عموم خصوص مطلق

(۹) غنم،حمار جواب:تباین کی نسبت ہے۔

(۱۰) فرس،صاہل جواب:تساوی کی نسبت ہے۔

(۱۱) حساس،حیوان جواب:تساوی کی نسبت ہے۔

☆☆☆☆☆

﴿الدرس الثالث عشر﴾

معرّف اور قول شارح کا بیان

معرّف کا لغوی معنی ہے ''پہچان کرانے والا'' اور قول بمعنی ''بات'' کے اور شارح کا معنی ہے ''شرح کرنے والا'' اور قول شارح ''شرح کرنے والی بات''۔

علم منطق کے اندر معرّف اور قول شارح اس مفہوم کو کہتے ہیں جس کے ذریعے سے چیزوں کو پہچانا جاتا ہے۔ مثلاً کوئی سوال کرے الانسان ماھو تو آپ جواب دیں گے حیوان ناطق تو یہ حیوان ناطق انسان کا معرف اور قول شارح ہے۔

عام طور پر چیزوں کی پہچان دو طرح سے کرائی جاتی ہے۔ (۱) یا تو اس شے کے وہ اجزاء بتلائے جاتے ہیں جن سے وہ چیز بنتی ہے۔ جیسے کوئی انسان کے بارے میں پوچھے تو ہم کہیں حیوان ناطق، یہ اس کی ذاتیات ہیں اور ذاتیات سے جو تعارف کرایا جاتا ہے اسے حد کہتے ہیں۔ (۲) یا پھر اس شے کے وہ اجزاء بتلائے جاتے ہیں کہ جن پر اس چیز کے بننے کا انحصار تو نہیں ہوتا لیکن بننے کے بعد وہ چیزیں اس کے اندر پائی جاتی ہیں جیسے انسان کا تعارف ضاحک سے کرایا جائے تو یہ اس کا عرض ہے۔ اور عرضیات سے جو تعارف کرایا جائے اسے رسم کہتے ہیں۔

پھر حد اور رسم میں سے ہر ایک کی دو قسمیں ہیں:

(۱) حد تام (۲) حد ناقص (۳) رسم تام (۴) رسم ناقص

وجہ حصر: اس لیے کہ جب ہم کسی چیز کا تعارف کروائیں گے تو اس کی تین صورتیں ہوں گی۔

(۱) صرف ذاتیات سے کروائیں گے۔ (۲) ذاتیات اور عرضیات کو ملا کر کروائیں گے۔ (۳) صرف عرضیات سے کروائیں گے۔

اگر ذاتیات سے کرائیں گے تو اس کی دوصورتیں ہوں گی۔ تمام ذاتیات کو بیان کریں گے یا بعض ذاتیات کو بیان کریں گے۔ اگر تمام ذاتیات کو بیان کریں تو یہ حد تام ہے جیسے انسان کا تعارف حیوان ناطق سے اور بعض سے کرائیں یہ تو حد ناقص ہے جیسے انسان کا تعارف فقط حیوان سے یا فقط ناطق سے۔

اور اگر عرضیات سے کرائیں گے تو پھر ذاتیات میں سے جنس قریب اور عرضیات سے خاصہ لایا جائے تو یہ رسم تام ہے جیسے انسان کا تعارف حیوان ضاحک سے اور اگر صرف خاصہ سے یا خاصہ اور جنس بعید سے یا کئی عرض عام سے تعارف کرایا جائے تو یہ رسم ناقص ہے۔ جیسے انسان کا تعارف فقط ضاحک یا جسم ضاحک سے یا ماشی، مستقیم القامہ سے۔

تعریفات

حد تام: کسی چیز کی تعریف جنس قریب اور فصل قریب سے کی جائے تو اسے حد تام کہتے ہیں۔ جیسے انسان کی تعریف حیوان ناطق سے۔

حد ناقص: اگر کسی چیز کی تعریف جنس بعید اور فصل قریب سے یا صرف فصل قریب سے کی جائے تو اسے حد ناقص کہتے ہیں۔ جیسے انسان کی تعریف جسم نامی ناطق یا صرف ناطق سے کی جائے۔

رسم تام: اگر کسی چیز کی تعریف جنس قریب اور خاصہ سے کی جائے تو اسے رسم تام کہتے ہیں۔ جیسے انسان کی تعریف حیوان ضاحک سے کی جائے۔

رسم ناقص: اگر کسی چیز کی تعریف جنس بعید اور خاصہ سے یا فقط خاصہ سے کی

جائے تو اسے رسم ناقص کہتے ہیں ۔ جیسے انسان کی تعریف جسم نامی ضاحک یا فقط ضاحک سے کی جائے۔

☆التمرین☆

سوال: ذیل کے معرفات میں اقسام معرفات بتاؤ۔

(۱) جوہر، ناطق جواب: جوہر ناطق انسان کے لیے حد ناقص ہے کیونکہ یہ جنس بعید اور فصل قریب پر مشتمل ہے۔

(۲) جسم نامی ناطق جواب: یہ بھی انسان کی حد ناقص ہے۔

(۳) جسم حساس جواب: یہ حیوان کی حد ناقص ہے۔

(۴) جسم متحرک بالارادہ جواب: یہ حیوان کی حد ناقص ہے۔

(۵) حیوان صاہل جواب: فرس کی حد تام ہے۔

(٦) حیوان ناہق جواب: حمار کی حد تام ہے۔

(۷) جسم ناہق جواب: حمار کی حد ناقص ہے۔

(۸) حساس جواب: حیوان کی حد ناقص ہے کیونکہ حساس حیوان کی فصل قریب ہے۔

(۹) الكلمة لفظ وضع لمعنى مفرد

جواب: کلمہ کی حد تام ہے۔اس لیے کہ لفظ کلمہ کی جنس قریب ہےاور وضع لمعنی مفرد فصل قریب ہے۔

(۱۰) الفعل کلمة دلت على معنى في نفسها مقترن باحد الازمنة الثلثة

جواب: یہ فعل کی حد تام ہےاس لیے کہ کلمہ فعل کی جنس قریب ہےاور دلت علی معنی فی نفسها الخ فصل قریب ہے۔

تصدیقات

﴿الدرس الاول﴾

دلیل اور حجت کی بحث

علم منطق کا موضوع دو چیزیں ہیں۔(۱) معرف اور قول شارح (۲) دلیل اور حجت، معرف اور قول شارح کا بیان تصورات کے آخر میں گزر چکا ہے، اب دلیل و حجت کا بیان ہے۔

تعریف: دو یا دو سے زیادہ معلوم تصدیقات کو ملا کر نامعلوم تصدیق کو جاننے کا نام دلیل اور حجت ہے۔ جیسے ہمیں معلوم ہے کہ انسان حیوان ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ ہر حیوان حساس ہوتا ہے تو ان دو تصدیقوں کے ملانے سے ہمیں ایک نامعلوم تصدیق کا علم ہوا وہ یہ کہ ''انسان حساس ہے۔''

وجہ تسمیہ: دلیل اور حجت حقیقت میں ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ جیسے معرف اور قول شارح۔ تاہم الفاظ کے بدلنے سے وجہ تسمیہ میں اختلاف ہوسکتا تھا لیکن انجام کے اعتبار سے ان کا مفہوم ایک ہی ہے۔

دلیل کا لغوی معنی ہے راہنمائی کرنا کیونکہ یہاں بھی دو تصدیقیں ایک نامعلوم تصدیق کی طرف رہنمائی کرتی ہیں اس لیے اسے '' دلیل'' کہتے ہیں۔

اور حجت کا لغوی معنی ہے غلبہ کرنا ،زبردست ہونا ، چونکہ یہاں بھی دو تصدیقوں کے جاننے سے تیسری چیز کا علم زبردستی یعنی خود بخود ہو جاتا ہے اس لیے اسے ''حجت'' کہتے ہیں ۔اور اگر غلبہ کرنے والا معنی مراد لیا جائے تو پھر وجہ تسمیہ کے ساتھ مناسبت یوں ہوگی کہ چونکہ اس طریقہ سے نتیجے تک پہنچنے والا مخالف پر غالب آجاتا ہے اس لیے اسے ''حجت'' کہتے ہیں۔

﴿ الدرس الثانی ﴾

قضیوں کی بحث

تعریف: نحویوں کے ہاں جو جملہ خبریہ ہے وہی مناطقہ کے ہاں قضیہ ہے لہٰذا قضیہ کی وہی تعریف ہوگی جو جملہ خبریہ کی ہوتی ہے یعنی ایسا مرکب کلام جس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا کہا جا سکے۔

اجزائے قضیہ: قضیہ کے تین اجزاء ہوتے ہیں: (۱) موضوع (۲) محمول (۳) رابطہ

جب ہم کسی کو کوئی خبر دیتے ہیں تو فوراً ذہن میں تین چیزیں آتی ہیں (۱) وہ چیز جس کے بارے میں خبر دینی ہے اسے ''موضوع'' کہتے ہیں۔ (۲) اس کے بارے میں جس چیز کی خبر دینی ہے اسے محمول کہتے ہیں۔ (۳) کس طرح کی خبر دینی ہے یعنی ''ہونے'' کی خبر یا ''نہ ہونے'' کی خبر اسے ''رابطہ'' کہتے ہیں۔ جیسے زید کھڑا ہے۔ اب یہاں زید کے بارے میں خبر دی جارہی ہے لہٰذا یہ موضوع ہوا اور اس کے بارے میں عالم ہونے کی خبر دی جارہی ہے، لہٰذا یہ ''محمول'' ٹھہرا۔ اور ہونے کی خبر دی جارہی ہے ''ہے'' کے ذریعے سے لہٰذا ''ہے'' رابطہ ہوا۔

فائدہ: اردو اور فارسی کے اندر جو قضایا ہوتے ہیں ان کے اندر ہمیشہ تین اجزاء ہوتے ہیں جبکہ عربی کے اندر اگر قضیہ سالبہ ہو تو تین اجزاء ہوتے ہیں اور اگر قضیہ موجبہ ہو تو اکثر طور پر رابطہ کو حذف کر دیا جاتا ہے۔ جیسے زید عالم کیونکہ اس کی

ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی لیکن کبھی کبھی ذکر بھی کیا جاتا ہے۔ جیسے زید هو عالم.

اقسام قضیہ حملیہ

ابتداءً قضیہ کی دو قسمیں ہیں:

(۱) قضیہ حملیہ (۲) قضیہ شرطیہ

قضیہ شرطیہ کی بحث اگلے درس میں آئے گی۔

قضیہ حملیہ وہ قضیہ ہے جس میں ایک چیز کو دوسری چیز کے لیے ثابت کیا جاتا ہے۔ یا نفی کیا جاتا ہے جیسے زید کھڑا ہے اور زید عالم نہیں ہے۔

قضیہ حملیہ کی موضوع کے اعتبار سے کل چار قسمیں ہیں:

(۱) مخصوصہ (۲) طبعیہ (۳) محصورہ (۴) مہملہ

وجہ حصر: قضیہ حملیہ کا موضوع یا جزئی ہوگا یا کلی ہوگا، اگر جزئی ہے تو وہ قضیہ مخصوصہ یا قضیہ شخصیہ ہے اور اگر کلی ہے تو پھر حکم افراد پر لگایا جائے گا یا مفہوم پر لگایا جائے گا، اگر مفہوم پر لگایا جائے تو یہ قضیہ طبعیہ ہے اور اگر افراد پر لگایا جائے تو افراد کو بیان کیا جائے گا یا نہیں کیا جائے گا۔ اگر بیان کیا جائے تو یہ قضیہ محصورہ ہے اور اگر بیان نہ کیا جائے تو یہ قضیہ مہملہ ہے۔

تعریفات

(۱) قضیہ مخصوصہ: قضیہ مخصوصہ وہ قضیہ حملیہ ہے جس کا موضوع جزئی یعنی متعین چیز ہو۔ جیسے زید عالم ہے اب یہاں موضوع زید ہے جو کہ متعین ہے۔

(۲) قضیہ طبعیہ: قضیہ طبعیہ وہ قضیہ حملیہ ہے جس کا موضوع کلی ہو اور حکم کلی کے مفہوم پر لگایا جائے۔ جیسے انسان نوع ہے۔

(۳) قضیہ محصورہ: قضیہ محصورہ وہ قضیہ حملیہ ہے جس میں حکم کلی کے افراد پر لگایا جائے اور پھر ان افراد کو بیان بھی کیا جائے قضیہ محصورہ کی پھر چار قسمیں ہیں:

(۱) محصورہ موجبہ کلیہ

(۲) محصورہ موجبہ جزئیہ

(۳) محصورہ سالبہ کلیہ

(۴) محصورہ سالبہ جزئیہ

(۴) قضیہ مہملہ: قضیہ مہملہ وہ قضیہ حملیہ ہے جس میں حکم کلی کے افراد پر لگایا گیا ہو اور ان افراد کو بیان بھی نہ کیا گیا ہو۔ جیسے انسان حیوان ہے۔

وجہ حصر: قضیہ محصورہ کے افراد پر جو حکم لگایا گیا ہو گا وہ حکم مثبت ہو گا یا منفی ہو گا، اگر مثبت ہے تو سب افراد کے لیے ہو گا یا بعض کے لیے، اگر سب افراد کے لیے ہے تو موجبہ کلیہ ہو گا جیسے ہر انسان حیوان ہے اور اگر بعض کے لیے ہے تو موجبہ جزئیہ ہو گا جیسے بعض حیوان انسان ہیں اور اگر حکم منفی ہو گا تو پھر بھی تمام افراد کے لیے ہو گا یا بعض افراد کے لیے اگر تمام افراد کے لیے ہے تو سالبہ کلیہ۔ جیسے کوئی انسان پتھر نہیں ہے۔ اور اگر بعض افراد کے لیے ہے تو سالبہ جزئیہ۔ جیسے بعض انسان نمازی نہیں ہیں۔

مفہوم اور افراد میں فرق

پہلے یہ بات گزر چکی ہے کہ قضیہ طبعیہ کے اندر حکم مفہوم پر لگایا جاتا ہے اور محصورہ و مہملہ کے اندر افراد پر۔ مفہوم اور افراد میں کیا فرق ہے اس فرق کو سمجھنے کے لیے ایک مثال کا سمجھنا ضروری ہے۔

مثال: ٹیلی فون ایک سائنسی ایجاد ہے اس کو ایجاد کرنے والے نے ایجاد کرنے سے پہلے سوچا ہوگا کہ مجھے ایسی چیز ایجاد کرنی ہے کہ جس کے ذریعے سے آدمی اپنی آواز دور دور تک پہنچا سکے پھر اس نے اس کے لیے کچھ پرزے سوچے اور پھر ذہن ہی میں ان کو ترتیب دی، یہ بھی ایک ٹیلی فون ہے جو اس کے ذہن میں تیار ہوا۔ یہ ٹیلی فون کا مفہوم ہے۔

اور ایک ٹیلی فون وہ ہے جو باہر کے جہان میں مختلف پرزوں سے مل کر بنا، پھر ایک کے بنتے ہی کئی ٹیلی فون بنتے چلے گئے تو یہ ٹیلی فون جو باہر پائے جارہے ہیں یہ ٹیلی فون کے افراد ہیں، اب اگر کوئی کہتا ہے کہ ٹیلی فون ایک اچھی ایجاد ہے تو وہ یہ حکم ٹیلی فون کے مفہوم پر لگا رہا ہے کیونکہ اس کی مراد "اول والا" یعنی ذہنی ٹیلی فون ہے گویا وہ یوں کہنا چاہتا ہے کہ کسی سوچنے والے نے جو اس طرح کے مخصوص پرزے اور ترتیب سوچ کر یہ چیز ایجاد کی ہے بہت اچھی ہے اور اگر کوئی کہتا ہے ٹیلی فون خراب ہے تو اب یہ حکم ٹیلی فون کے افراد پر ہوگا کیونکہ وہی ٹیلی فون خراب ہوسکتا ہے جو مختلف اجزاء سے مل کر بنا ہو اور باہر کی (خارجی) دنیا میں پایا جائے۔

مفہوم اور افراد کے درمیان فرق معلوم کرنے کا ایک اور آسان طریقہ بھی ہے۔ اگر کسی قضیے کے اندر حکم کلی پر لگایا جائے اور یہ دیکھنا ہو کہ حکم کلی کے افراد پر ہے یا مفہوم پر تو یہ دیکھو کہ قضیے کا جو محمول ہے اگر ایسا ہے کہ اس کا ثبوت پورے موضوع کے لیے بھی ہوسکتا ہے اور بعض موضوع کے لیے بھی تو اس میں حکم افراد پر ہوگا جیسے انسان حیوان ہے۔ اب حیوان ہونے کا حکم تمام انسانوں پر بھی لگتا ہے اور بعض پر بھی اور ہر ایک پر علیحدہ علیحدہ بھی بخلاف اس کے اگر یوں کہا جائے انسان نوع ہے تو

اب نوع کا اطلاق تمام انسانوں پر تو ہو سکتا ہے لیکن اگر کسی ایک انسان کو لے کر یہ جملہ کہا جائے تو غلط ہوگا۔

☆التمرین☆

سوال: قضایائے مندرجہ ذیل میں اقسام قضیہ بتاؤ!

(۱) عمرو مسجد میں ہے۔	جواب: قضیہ مخصوصہ
(۲) حیوان جنس ہے۔	جواب: قضیہ طبعیہ
(۳) ہر گھوڑا ہنہناتا ہے۔	جواب: قضیہ محصورہ موجبہ کلیہ
(۴) کوئی گدھا بے جان نہیں۔	جواب: قضیہ محصورہ سالبہ کلیہ
(۵) بعض انسان لکھنے والے ہیں۔	جواب: قضیہ محصورہ موجبہ جزئیہ
(۶) بعض انسان ان پڑھ ہیں۔	جواب: قضیہ محصورہ موجبہ جزئیہ
(۷) ہر گھوڑا جسم والا ہے۔	جواب: قضیہ محصورہ موجبہ کلیہ
(۸) کوئی پتھر انسان نہیں۔	جواب: قضیہ محصورہ سالبہ کلیہ
(۹) ہر جاندار مرنے والا ہے۔	جواب: قضیہ محصورہ موجبہ کلیہ
(۱۰) ہر متکبر ذلیل ہے۔	جواب: قضیہ محصورہ موجبہ کلیہ
(۱۱) ہر متواضع عزت والا ہے۔	جواب: قضیہ محصورہ موجبہ کلیہ
(۱۲) ہر حریص خوار ہے۔	جواب: قضیہ محصورہ موجبہ کلیہ

﴿الدرس الثالث﴾

قضیہ شرطیہ کی بحث

تعریف: قضیہ شرطیہ وہ قضیہ ہے کہ جو ایسے دو قضیوں سے مل کر بنے کہ جن میں ایک قضیے کے پائے جانے سے دوسرے قضیے کے پائے جانے یا نہ پائے جانے کا اظہار ہوتا ہو جیسے اگر سورج نکلا تو دن ہوگا۔

اجزائے قضیہ شرطیہ: قضیہ شرطیہ دو قضایا پر مشتمل ہوتا ہے، ان میں سے پہلا قضیہ مقدم اور دوسرا تالی کہلاتا ہے۔

اقسام قضیہ شرطیہ: قضیہ شرطیہ کی دو اقسام ہیں:

(۱) شرطیہ متصلہ (۲) شرطیہ منفصلہ

شرطیہ متصلہ: متصلہ اتصال سے مشتق ہے جس کا معنی ہے ملنا، اگر دو قضیے ایسے ہوں کہ ایک قضیے کے ماننے پر دوسرے کا ماننا ملا ہوا ہو تو اسے شرطیہ متصلہ کہتے ہیں۔ اس کی پھر دو قسمیں ہیں: (۱) موجبہ (۲) سالبہ

اگر ایک قضیے کے ماننے پر دوسرے قضیے کے ثبوت کا ذکر ہو تو متصلہ ہے جیسے اگر زید انسان ہے تو حیوان بھی ہے۔ اور اگر ایک قضیے کے ماننے پر دوسرے قضیے کی نفی کا ذکر ہو تو متصلہ سالبہ ہے جیسے "نہیں ہے یہ بات کہ اگر زید انسان ہو تو پتھر بھی ہو" "نہیں ہے یہ بات" کے الفاظ یہ بتانے کے لیے لائے گئے ہیں کہ مقدم و تالی میں اتصال نہیں، لہٰذا اگر زید کو انسان مانا تو اس سے ہرگز یہ نتیجہ نہ نکلے گا کہ وہ پتھر ہے۔

متصلہ سالبہ کومجازاً قضیہ متصلہ کہتے ہیں۔حقیقت میں تو اتصال کا سلب ہوتا ہے۔

شرطیہ منفصلہ: منفصلہ'' انفصال'' سے مشتق ہے ۔ انفصال کا معنی ہے جدائی۔اگر دوقضیے ایسے ملے ہوئے ہوں کہ ان کے درمیان علیحدگی اور انفصال کو بتایا جائے تو اسے قضیہ منفصلہ کہتے ہیں۔اس کی بھی دوقسمیں ہیں: (۱) موجبہ (۲) سالبہ

اگر دونوں قضیوں کے درمیان انفصال کا ثبوت ہےتو وہ قضیہ منفصلہ موجبہ ہے جیسے یہ شئے یاتو درخت ہے یا پتھر ہے۔ درخت اور پتھر میں ذات کے اعتبار سے انفصال ہےاور اگر دوقضیوں میں انفصال کوسلب کیا گیا تو یہ قضیہ منفصلہ سالبہ ہے۔ جیسے نہیں ہے یہ بات کہ زید سورہا ہواور اس کی آنکھیں بند ہوں ۔اب یہاں چونکہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کولازم وملزوم ہیں لہٰذا انفصال کی نفی کی گئی ہے۔

شرطیہ متصلہ کی دواقسام: لزومیہ اور اتفاقیہ

قضیہ شرطیہ متصلہ جن دوقضیوں سے مل کر بنتا ہے ان کے درمیان میں اتصال ہوتا ہے۔اب یہ اتصال دوطرح کا ہوتا ہے:

(۱) لزومی (۲) اتفاقی

لزومی کا مطلب ہے کہ اول قضیے کے پائے جانے سے دوسرا قضیہ ضروری پایا جائے جیسے اگر سورج نکلے گا تو دن ہوگا اور اتفاقی کا مطلب ہے کہ اول قضیے کے پائے جانے سے ضروری نہیں کہ دوسرا قضیہ بھی پایا جائے البتہ اتفاق سے ایسا ہوسکتا ہے کہ مقدم کے پائے جانے سے تالی بھی پایا جائے جیسے آپ کہیں اگر میں عالم ہوں تو میرا چھوٹا بھائی حافظ ہے۔اب یہ دونوں باتیں اتفاقاً اکٹھی ہوگئیں ورنہ

آپ کے عالم بننے کے لیے چھوٹے بھائی کا حافظ ہونا ضروری نہیں۔

شرطیہ منفصلہ کی دو قسمیں: عنادیہ اور اتفاقیہ

قضیہ شرطیہ منفصلہ جن دو قضیوں سے مل کر بنتا ہے ان کے درمیان جدائی کا حکم ہوتا ہے اب یہ جدائی کا حکم دو طرح کا ہوتا ہے:

(۱) عنادیہ (۲) اتفاقیہ

اگر مقدم اور تالی ایسے ہوں کہ ذات کے اعتبار سے جدائی اور انفصال کا تقاضا کریں تو یہ منفصلہ عنادیہ ہے جیسے یہ شخص یا تو ہندو ہے یا مسلمان۔ اب ہندو اور مسلمان ہونا ذات کے اعتبار سے متضاد ہے اور اگر مقدم اور تالی ایسے ہوں کہ ذات کے اعتبار سے تو جدائی کا تقاضا نہ کریں لیکن اتفاقاً جدائی ہوگئی ہو تو وہ منفصلہ اتفاقیہ ہے۔ جیسے اکرم یونانی زبان جانتا ہے یا سریانی۔ اب یونانی اور سریانی زبان کے جاننے میں ذات کے اعتبار سے کوئی تضاد نہیں لیکن اتفاقاً ایسا ہوا کہ اکرم ان میں سے ایک زبان ہی جان سکا ورنہ اگر دونوں باتیں جمع ہو جائیں تو کوئی امر محال لازم نہیں آتا۔

منفصلہ کی مزید اقسام

منفصلہ کی مزید تین اقسام ہیں جو کہ حسب ذیل ہیں:

(۱) حقیقیہ (۲) مانعۃ الجمع (۳) مانعۃ الخلو

سطور ذیل میں ان کی ضروری وضاحت کی جاتی ہے:

(۱) حقیقیہ: منفصلہ وہ قضیہ ہے کہ جس میں مقدم اور تالی بیک وقت جمع بھی نہ ہوسکیں اور اٹھ بھی نہ سکیں۔ یعنی اگر مقدم اٹھ جائے تو تالی ضرور پایا جائے اور اگر

تالی اٹھ جائے تو مقدم ضرور پایا جائے، جیسے آپ کہیں اس ماچس کی ڈبی میں جو تیلیاں ہیں یا تو جفت ہیں یا طاق۔ اب جفت اور طاق میں سے ایک بات ضرور ہوگی۔ اگر جفت نہ ہوئیں تو طاق ہوں گی اور اگر طاق نہ ہوئیں تو جفت ضرور ہوں گی۔

(۲) مانعۃ الجمع: مانعۃ کا معنی روکنے والی۔ تو مانعۃ الجمع کا لغوی معنی ہوا جمع کو روکنے والا۔ یہ ایسا قضیہ منفصلہ ہے کہ جس میں مقدم اور تالی کبھی جمع نہیں ہو سکتے، ہاں البتہ اٹھ سکتے ہیں جیسے دور سے آپ کسی جانور کو دیکھیں اور کہیں کہ یہ جانور یا تو گدھا ہے یا گھوڑا۔ اب یہ تو نہیں ہوسکتا کہ وہ گدھا بھی ہو اور گھوڑا بھی۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ گدھا بھی نہ ہو اور گھوڑا بھی نہ ہو بلکہ اونٹ ہو۔

(۳) مانعۃ الخلو: مانعۃ الخلو کا لغوی معنی ہے جدائی کو روکنے والا۔ یہ ایسا قضیہ منفصلہ ہے کہ جس میں مقدم اور تالی جمع تو ہو سکتے ہیں جدا نہیں ہو سکتے جیسے سورہ عبس کے اندر حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهُ يَزَّكَّىٰ أَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنفَعَهُ الذِّكْرَىٰ (آپ کو کیا معلوم کہ شاید وہ تزکیہ کر لیتا یا نصیحت پکڑتا اور نصیحت اس کو فائدہ دیتی) اب یہاں دو باتیں ہیں (۱) تزکیہ (۲) تذکر، یہ دونوں باتیں مانعۃ الخلو کے طور پر جمع ہیں یعنی یہ تو ہوسکتا ہے کہ تزکیہ بھی ہو اور تذکر بھی لیکن یہ نہیں ہوسکتا کہ ان میں سے کوئی ایک بھی نہ ہو۔

☆التمرین☆

سوال: ذیل کے قضیوں میں بتاؤ کہ ہر قضیہ کون سی قسم کا ہے؟ شرطیہ ہے یا حملیہ اور شرطیہ کی کون سی قسم ہے۔ متصلہ یا منفصلہ اور اسی طرح حملیہ، متصلہ اور منفصلہ کی کون سی قسم ہے۔

(۱) اگر یہ شے گھوڑا ہے تو جسم ضرور ہے۔

جواب: قضیہ شرطیہ ہے پھر شرطیہ میں متصلہ موجبہ ہے اور متصلہ میں لزومیہ ہے۔

(۲) یہ شے گھوڑا ہے یا گدھا ہے۔

جواب: شرطیہ ہے اور منفصلہ موجبہ ہے اور منفصلہ میں عنادیہ مانعۃ الجمع ہے۔

(۳) یہ شے یا تو جانور ہے یا سفید ہے۔

جواب: شرطیہ ہے اور پھر منفصلہ موجبہ ہے اور پھر یہ مانعۃ الجمع بھی ہوسکتا ہے او.. مانعۃ الخلو بھی۔ قائل کی منشاء پر ان سب کا مدار ہے۔

(۴) اگر گھوڑا ہنہنانے والا ہے تو انسان جسم ہے۔

جواب: شرطیہ متصلہ موجبہ ہے اور پھر اتفاقیہ ہے۔

(۵) زید عالم ہے یا جاہل ہے۔

جواب: شرطیہ منفصلہ ہے اور پھر عنادیہ حقیقیہ ہے۔

(۶) عمر بولتا ہے یا گونگا ہے۔

جواب: شرطیہ منفصلہ ہے اور پھر عنادیہ حقیقیہ ہے۔

(۷) بکر شاعر ہے یا کاتب ہے۔

جواب: شرطیہ منفصلہ ہے اور پھر مانعۃ الجمع اور مانعۃ الخلو میں سے ہر ایک ہوسکتا ہے۔

(۸) زید گھر میں ہے یا مسجد میں ہے۔

جواب: شرطیہ منفصلہ ہے اور پھر عنادیہ حقیقیہ ہے۔

(۹) خالد بیمار ہے یا تندرست ہے۔

جواب: شرطیہ منفصلہ ہے اور پھر عنادیہ حقیقیہ ہے۔

(۱۰) زید کھڑا ہے یا بیٹھا ہے۔

جواب: شرطیہ منفصلہ ہے اور پھر عنادیہ مانعۃ الخلو ہے۔

(۱۱) یہ بات نہیں ہے کہ اگر رات ہو تو سورج نکلا ہو۔

جواب: شرطیہ متصلہ ہے اور سالبہ ہے اور پھر متصلہ کی قسم لزومیہ ہے۔

(۱۲) اگر سورج نکلے گا تو زمین روشن ہوگی۔

جواب: شرطیہ متصلہ موجبہ ہے اور پھر لزومیہ ہے۔

(۱۳) اگر وضو کرو گے تو نماز صحیح ہوگی۔

جواب: شرطیہ متصلہ موجبہ ہے اور پھر لزومیہ ہے۔

(۱۴) اگر ایمان کے ساتھ اعمالِ صالحہ کرو گے تو جنت میں جاؤ گے۔

جواب: شرطیہ متصلہ موجبہ اور لزومیہ ہے۔

(۱۵) آدمی بدبخت ہے یا نیک بخت۔

جواب: شرطیہ منفصلہ موجبہ اور پھر عنادیہ حقیقیہ ہے۔

﴾الدرس الرابع﴿

تناقض کا بیان

تناقض کا لغوی معنی ہے ''ٹکرانا، مخالف ہونا''۔ اصطلاح میں دو باتوں کے باہم متضاد ہونے کو تناقض کہتے ہیں۔ لیکن تناقض کے واقع ہونے کے لیے ضروری ہے کہ دو باتیں حقیقت کے اعتبار سے ایک دوسرے کی مخالف ہوں۔ کئی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ دو باتوں میں کوئی تناقض نہیں ہوتا لیکن کم عقلی کی وجہ سے ان میں تناقض سمجھ لیا جاتا ہے۔ مثلاً ہم نے کہا احسن ایک اچھا عالم ہے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد ہم نے کہا وہ جاہل ہے تو سامنے سننے والا فوراً بول اٹھے گا کہ جناب آپ کی بات میں تناقض ہے لیکن اگر آپ کہیں عالم سے ہماری مراد ''علم دین'' کے اعتبار سے ہے اور جاہل سے مراد ''انگریزی سے جہالت ہے'' تو یہ تناقض اٹھ جائے گا۔ تو اس امر کو سمجھنے کے لیے کہ دو باتوں میں حقیقت کے اعتبار سے کیا تناقض واقع ہوتا ہے مناطقہ نے آٹھ شرطیں بیان کی ہیں اور اگر ان آٹھ میں سے کوئی ایک بھی نہ پائی جائے تو پھر تناقض نہیں پایا جائے گا۔

(۱) ''موضوع'' ایک ہو جیسے زید کھڑا ہے اور زید کھڑا نہیں ہے اور دوسرے جملے میں زید کی بجائے عمر کہا جائے تو تناقض نہ ہوگا۔

(۲) ''محمول'' ایک ہو جیسے زید عالم ہے اور زید عالم نہیں ہے اور اگر دوسرے جملے میں عالم نہیں ہے کی بجائے ''جاہل نہیں ہے'' کہا جائے تو تناقض نہ ہوگا۔

(۳) دونوں قضیوں میں ''مکان'' ایک ہو جیسے زید مسجد میں ہے اور زید مسجد میں نہیں ہے، اگر دوسرے قضیے میں ''مسجد میں نہیں ہے'' کے بجائے ''گھر میں نہیں ہے'' کہا جائے تو تناقض نہ ہوگا۔

(۴) ''زمانہ'' ایک ہو جیسے زید دن کو کھڑا ہے اور زید دن کو کھڑا نہیں ہے اور اگر دوسرے قضیے میں کہا جائے زید رات کو کھڑا نہیں ہے تو اب کوئی تناقض نہیں۔

(۵) ''قوت وفعل'' ایک ہو یعنی کسی کے متعلق جو خبر دی جارہی ہے وہ بات موجود اور انجام کے اعتبار سے ایک ہی ہو۔ قوۃ کا مطلب یہ ہے کہ جو بات کسی کے بارے میں کہی گئی ہے وہ اگرچہ ابھی تو اس میں نہیں ہے لیکن ممکن ہے کہ اس میں ہو جائے یا ہونے والی ہو جیسے کہ بچہ مدرسے میں داخلہ لیتا ہے تو سب اسے مولوی کہتے ہیں، اب یہ ''مولوی ہے'' بالقوۃ اور ''غیر مولوی ہے'' بالفعل ہوا۔ اب اگر کوئی کہے کہ زید مولوی ہے بالقوۃ اور مولوی نہیں ہے بالقوۃ تو یہ غلط ہے ہاں اگر دوسرے جملے میں یوں کہے کہ مولوی نہیں ہے بالفعل تو اب تناقض نہیں ہے۔

(۶) دونوں قضیوں میں ''شرط'' ایک ہو یعنی جو شرط پہلے قضیے کے ساتھ لگائی گئی ہے وہی شرط دوسرے جملے کے ساتھ لگائی گئی ہو جیسے جب امتحان آتا ہے تو زید پڑھتا ہے اور جب امتحان آتا ہے تو زید نہیں پڑھتا، اس میں تناقض ہے اور اگر دوسرے جملے کی شرط بدل دی جائے اور کہا جائے جب امتحان نہیں آتا تو زید نہیں پڑھتا تو اس میں تناقض نہیں ہے۔

(۷) دونوں جملے ''کل وجزء'' میں ایک جیسے ہوں یعنی اگر پہلے قضیے کے اندر پورا موضوع مراد لیا گیا ہے تو دوسرے قضیے کے اندر [illegible] موع مراد لیا جائے

اور اگر پہلے قضیے میں موضوع کا بعض مراد لیا گیا ہے تو دوسرے قضیے میں بھی موضوع کا وہی بعض مراد ہو ورنہ تناقض نہ ہوگا۔ جیسے آپ نے کہا ''ہدایۃ النحو'' عربی میں ہے اور پھر کہا ''ہدایۃ النحو'' عربی میں نہیں ہے۔ اب پہلے جملے سے آپ کی مراد ''ہدایۃ النحو'' کا متن ہے اور دوسرے جملے سے مراد حاشیہ ہے جو کہ فارسی میں ہے تو اس طرح اس میں تناقض نہیں ہے اور اگر دوسرے جملے سے بھی مراد متن ہی ہے تو تناقض ہے۔

(۸) دونوں قضیے ''اضافت'' میں متفق ہوں جیسے زید عمرو کا باپ ہے اور زید عمرو کا باپ نہیں اور اگر دوسرے قضیے میں کہا جائے کہ زید بکر کا باپ نہیں تو کوئی تناقض نہیں۔ ہوسکتا ہے بکر احسن کا بیٹا ہو۔

ان آٹھ شرطوں کو ایک رباعی میں بیان کیا گیا ہے۔

در تناقض ہشت وحدت شرط داں — وحدتِ موضوع و محمول و مکاں
وحدتِ شرط و اضافت، جز و کل — قوت و فعل است در آخر زماں

دو محصوروں میں تناقض

اس سے ماقبل تناقض کی جو آٹھ شرطیں گزری ہیں یہ قضیہ مخصوصہ کی ہیں قضایا محصورہ کے اندر ان آٹھ شرطوں کے علاوہ ایک اور شرط کا پایا جانا بھی ضروری ہے اور وہ ہے کل و جزو کا اختلاف یعنی اگر ایک قضیہ کلیہ ہے تو دوسرا جزئیہ ہونا چاہیے جیسے موجبہ کلیہ جیسے ہر انسان جاندار ہے اس کی نقیض سالبہ جزئیہ ہوگی یعنی بعض انسان جاندار نہیں۔ اب ان قضیوں میں تناقض ہے۔

فائدہ: ہم نے دو قضایا محصورہ کے اندر تناقض ثابت کرنے کے لیے یہ شرط لگائی ہے کہ ایک کلیہ ہو اور دوسرا جزئیہ ہو نہ دونوں کلیے ہوں اور نہ دونوں جزئیے۔

اس لیے کہ اگر دونوں کلیے ہوں تو اکثر تناقض نہیں ہوتا بلکہ دونوں قضیے جھوٹے ہوتے ہیں حالانکہ تناقض کے لیے ایک قضیے کا سچا اور دوسرے کا جھوٹا ہونا ضروری ہے۔ دو کلیوں کی مثال جیسے ہر حیوان انسان ہے اور ہر حیوان انسان نہیں ہے۔ یہ دونوں کاذبہ ہیں۔ اسی طرح اگر دونوں قضیے جزئیہ ہوں تو بھی تناقض نہیں ہوتا کیونکہ اکثر دونوں قضیے سچے ہوتے ہیں جیسے بعض لوگ مسلمان ہیں اور بعض لوگ مسلمان نہیں۔ اب یہ دونوں قضیے سچے ہیں لہٰذا کوئی تناقض نہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دونوں قضیے کلیے ہوں اور ان میں تناقض ہو جیسے ہر انسان پتھر ہے، کوئی انسان پتھر نہیں ہے اسی طرح بعض دفعہ دو جزئیوں میں بھی تناقض ہوسکتا ہے جیسے بعض انسان ناطق ہیں بعض انسان ناطق نہیں لیکن منطقیوں کے قاعدے ہمیشہ کلی ہوتے ہیں۔ اگر ان کا قاعدہ کسی ایک مقام پر بھی کسی مثال سے ٹکرا جائے تو یہ اس ضابطے کو بتاتے ہی نہیں۔ لہٰذا محصوروں کے اندر تناقض اس طرح آتا ہے: موجبہ کلیہ کی نقیض سالبہ جزئیہ اور موجبہ جزئیہ کی نقیض سالبہ کلیہ ہے اسی طرح سالبہ کلیہ کی نقیض موجبہ جزئیہ جبکہ سالبہ جزئیہ کی نقیض آتی ہی نہیں۔

☆التمرین☆

سوال: ان قضایا کی نقیض بتاؤ اور ان میں تمہارے نزدیک تناقض ہے یا نہیں اگر نہیں تو کون سی شرطیں نہیں ہیں۔

(۱) ہر گھوڑا جاندار ہے۔

جواب: اس کی نقیض سالبہ جزئیہ ہے یعنی بعض گھوڑے جاندار نہیں۔

(۲) بعض جانوروں میں سے بکری ہے۔

جواب: اس کی نقیض سالبہ کلیہ ہے یعنی کسی جانور میں سے بکری نہیں۔

(۳) عمرو مسجد میں ہے، عمرو گھر میں نہیں۔
جواب: ان میں تناقض نہیں کیونکہ مکان ایک نہیں ہے۔
(۴) بکر زید کا بیٹا ہے، بکر عمر کا بیٹا نہیں۔
جواب: ان میں تناقض نہیں کیونکہ اضافت ایک نہیں۔
(۵) کوئی انسان درخت نہیں۔
جواب: اس کی نقیض سالبہ جزئیہ ہے یعنی بعض انسان درخت ہیں۔
(٦) فرنگی گورا ہے، فرنگی گورا نہیں۔
جواب: اگر دونوں جگہ فرنگی سے مراد فرنگی کا بدن ہے تو تناقض ہے اور اگر پہلے جملے میں بدن اور دوسرے میں بال مراد ہوں تو تناقض نہیں۔
(۷) ہر انسان جسم ہے۔
جواب: اس کی نقیض سالبہ جزئیہ ہے یعنی بعض انسان جسم نہیں۔
(۸) بعض جاندار سفید ہیں۔
جواب: اس کی نقیض موجبہ کلیہ ہے یعنی کوئی جاندار سفید نہیں۔
(۹) بعض جاندار گدھے نہیں۔
جواب: اس کی نقیض موجبہ کلیہ ہے یعنی ہر جاندار گدھا ہے۔
(۱۰) بعض انسان لکھنے والے ہیں۔
جواب: اس کی نقیض سالبہ کلیہ ہے یعنی کوئی انسان لکھنے والا نہیں۔
(۱۱) بعض بکریاں کالی نہیں۔
جواب: اس کی نقیض موجبہ کلیہ ہے یعنی ہر بکری کالی ہے۔
(۱۲) زید رات کو سوتا ہے، زید دن کو نہیں سوتا۔
جواب: ان میں تناقض نہیں کیونکہ زمانہ ایک نہیں ہے۔

﴿الدرس الخامس﴾

عکس مستوی کی بحث

عکس کا لغوی معنی ہے الٹنا اور مستوی کا معنی ہے سیدھا، تو عکس مستوی کا معنی ہوا سیدھا الٹا کرنا یعنی جملہ تو اپنے حال پر باقی رہے لیکن موضوع کو محمول اور محمول کو موضوع بنا دینا عکس مستوی کہلاتا ہے۔

جب ہم کسی سے کوئی بات کرتے ہیں اور جو مفہوم ہم اپنے جملے میں بیان کرنا چاہتے ہیں تو اس جملے کو الٹا کرنے سے بھی وہ مفہوم ادا ہو جاتا ہے جیسے ہم کہیں ہر انسان ناطق ہے تو ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں ہر ناطق انسان ہے۔ اسی طرح جب ہم یہ کہیں کہ کوئی پتھر انسان نہیں تو ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کوئی انسان پتھر نہیں۔

کل قضیے چار ہیں: (۱) موجبہ کلیہ (۲) موجبہ جزئیہ (۳) سالبہ کلیہ (۴) سالبہ جزئیہ۔

موجبہ کلیہ کا عکس موجبہ جزئیہ آتا ہے جیسے ہر انسان حیوان ہے اس کا عکس ''بعض حیوان انسان ہیں'' ہے۔ اگر ہم موجبہ کلیہ کا عکس موجبہ کلیہ بنائیں تو بعض قضیوں میں وہ جھوٹا ہو جاتا ہے جیسے مذکورہ مثال میں۔ اس لیے ہم نے موجبہ کلیہ کا عکس موجبہ جزئیہ بنایا۔

موجبہ جزئیہ کا عکس موجبہ جزئیہ ہی آتا ہے جیسے بعض پتھر سخت ہیں اس کا عکس بعض سخت پتھر ہیں۔

- سالبہ کلیہ کا عکس سالبہ کلیہ ہی آتا ہے جیسے کوئی گدھا انسان نہیں، کا عکس کوئی انسان گدھا نہیں۔

سالبہ جزئیہ کا عکس آتا تو ہے لیکن بعض جگہ کاذبہ ہو جاتا ہے۔ جیسے بعض حیوان انسان نہیں یہ تو صحیح ہے اس کا عکس ہے بعض انسان حیوان نہیں یہ کاذب ہے۔ لہٰذا منطقیوں نے قاعدہ بنایا کہ سالبہ جزئیہ کا عکس آتا ہی نہیں۔

☆التمرین☆

سوال: قضایا مذکورۂ ذیل کا عکس کاغذ پر لکھو۔

(۱) ہر انسان جسم ہے۔ **جواب:** بعض جسم انسان ہیں۔

(۲) کوئی گدھا بے جان نہیں۔ **جواب:** کوئی بے جان گدھا نہیں۔

(۳) کوئی گھوڑا عاقل نہیں ہے۔ **جواب:** کوئی عاقل گھوڑا نہیں۔

(۴) ہر حریص ذلیل ہے۔ **جواب:** بعض ذلیل حریص ہیں۔

(۵) ہر قناعت کرنے والا عزیز ہے۔ **جواب:** بعض عزیز قناعت کرنے والے ہیں۔

(۶) ہر نمازی سجدہ کرنے والا ہے۔ **جواب:** بعض سجدہ کرنے والے نمازی ہیں۔

(۷) ہر مسلمان خدا کو ایک ماننے والا ہے۔ **جواب:** بعض خدا کو ایک ماننے والے مسلمان ہیں۔

(۸) بعض مسلمان نماز نہیں پڑھتے۔ **جواب:** بعض نماز نہ پڑھنے والے مسلمان ہیں۔

(۹) بعض مسلمان روزہ رکھتے ہیں۔ **جواب:** بعض روزہ رکھنے والے مسلمان ہیں۔

(۱۰) بعض مسلمان نمازی ہیں۔ **جواب:** بعض نمازی مسلمان ہیں۔

☆☆☆☆☆

﴿الدرس السادس﴾

حجت کی اقسام

حجت اصل میں دو قضیے اور جملے ہوتے ہیں کہ جن کے ذریعے سے نا معلوم قضیے کا علم ہوتا ہے، اسی لیے حجت کی تعریف، قضیہ اور اس کی اقسام وغیرہ کی بحث شروع کی جو عکس مستوی پر ختم ہوئی۔ اب حجت کی اقسام بیان کرتے ہیں۔ حجت کی تین قسمیں ہیں:

(۱) قیاس (۲) استقراء (۳) تمثیل

قیاس: قیاس وہ مرکب کلام ہے جو ایسے دو یا دو سے زیادہ قضیوں سے مل کر بنے کہ اگر ہم ان دو قضیوں کو ملائیں تو ایک تیسرا قضیہ بھی ماننا پڑے جیسے ہر انسان حیوان ہے اور ہر حیوان جسم والا ہے تو ان دو کے ماننے سے ایک تیسرا قضیہ ماننا پڑا کہ ہر انسان جسم والا ہے۔

پہلے دونوں قضیوں کے مجموعہ کو قیاس کہتے ہیں اور تیسرے قضیے کو ''نتیجہ قیاس'' کہتے ہیں۔ اور قیاس کے دونوں قضیوں کو مقدمہ کہتے ہیں یعنی پہلا قضیہ بھی مقدمہ کہلاتا ہے اور دوسرا قضیہ بھی مقدمہ کہلاتا ہے۔ پھر قضیے کے دو جزو ہیں (۱) موضوع (۲) محمول۔ چنانچہ ہر انسان حیوان ہے پہلا قضیہ ہے، انسان اس کا موضوع اور حیوان محمول ہے۔ اور دوسرا قضیہ حیوان جسم والا ہوتا ہے اس میں حیوان موضوع اور جسم والا محمول ہے۔

ان دونوں جملوں میں ایک چیز ایسی ہوگی کہ جس کا ذکر پہلے جملے میں بھی ہوگا اور دوسرے جملے میں بھی، اس کو منطقی حضرات ''حداوسط'' کہتے ہیں۔ اب حداوسط کے بعد جو چیز پہلے جملے میں باقی رہ جاتی ہے اسے اصغر کہتے ہیں جیسے مذکورہ مثال میں ''حیوان'' دونوں جملوں میں ہے، یہ حداوسط ہے۔ اس کے بعد پہلے جملے میں انسان بچا، یہ اصغر ہے اور دوسرے جملے میں ''جسم والا'' باقی بچا، یہ اکبر ہے۔ پہلا جملہ جس کے اندر اصغر ہوتا ہے اسے صغریٰ اور دوسرا جملہ جس کے اندر اکبر ہوتا ہے اسے کبریٰ کہتے ہیں۔

نتیجہ نکالنے کا طریقہ: قیاس کے ذریعے سے نتیجہ نکالنا بہت آسان ہے۔ حد اوسط جو دونوں جملوں میں ہے اسے گرا دو اور پھر اصغر اور اکبر کو ملا دو نتیجہ آ جائے گا۔ جیسے ہر انسان حیوان ہے۔ ہر حیوان جسم والا ہے۔ مذکورہ مثال میں ''ہر انسان'' اصغر ''جسم والا'' اکبر اور ''حیوان'' حداوسط ہے۔ نتیجہ: ہر انسان جسم والا ہے۔

اشکال اربعہ: دراصل شکل اس ہیئت کو کہتے ہیں جو ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملانے اور ان کو آگے پیچھے کرنے سے حاصل ہو جبکہ قیاس کے اندر شکل وہ ہیئت کہلاتی ہے جو صغریٰ و کبریٰ کو ملانے سے اور حداوسط کے آگے پیچھے رکھنے سے حاصل ہوتی ہے۔ قیاس کے اندر کل چار شکلیں ہوتی ہیں، اس طرح کہ حداوسط (۱) دونوں جملوں میں اصغر و اکبر کے بعد ہوگی۔ (۲) دونوں جملوں میں اصغر و اکبر سے پہلے آئے گی (۳) پہلے جملے میں اصغر سے پہلے اور دوسرے جملے میں اکبر کے بعد ہوگی (۴) پہلے جملے میں اصغر کے بعد اور دوسرے جملے میں اکبر سے پہلے ہوگی۔ پہلی صورت کو شکل ثانی دوسری کو شکل ثالث تیسری کو شکل رابع اور چوتھی کو شکل اول کہتے ہیں۔

شبہ: ظاہراً یہاں ایک شبہ ہوتا ہے کہ اصغر و اکبر کے آگے پیچھے ہونے سے شکل کیوں بدل جاتی ہے حالانکہ حد اوسط کو تو ہر حال میں گرنا ہی ہے چاہے اصغر کے بعد ہو یا پہلے ہو اسی طرح اکبر کے بعد ہو یا پہلے ہو۔ ایسا کیوں ہے؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح علم نحو میں الفاظ کے بدلنے سے جملے کی حیثیت بدل جاتی ہے جیسے جاء زید جملہ فعلیہ ہے، اب اگر زید کو مقدم کرو اور زیدٌ جاء کہو تو جملہ اسمیہ بن جائے گا۔ تو اب اگر چہ الفاظ وہی ہیں لیکن آگے پیچھے کرنے سے جملے کی شکل بدل گئی اس طرح منطق کے اندر بھی حد اوسط کو آگے پیچھے کرنے سے شکل بدل جاتی ہے۔ اور شکل کے بدلنے سے نتیجہ میں بھی فرق آتا ہے۔ چاروں شکلوں کی مثالیں یہ ہیں:

شکل اول: ہر انسان حیوان ہے ، ہر حیوان جسم والا ہے۔

نتیجہ: ہر انسان جسم والا ہے۔

شکل ثانی: ہر انسان حیوان ہے، کوئی درخت حیوان نہیں۔

نتیجہ: کوئی انسان درخت نہیں ہے۔

شکل ثالث: ہر انسان حیوان ہے، بعض انسان کاتب ہیں۔

نتیجہ: بعض حیوان کاتب ہیں۔

شکل رابع: ہر انسان حیوان ہے ، بعض کاتب انسان ہیں۔

نتیجہ: بعض کاتب حیوان ہیں۔

وضاحت: یہ نتائج مختلف کیوں ہیں؟ اور ہر شکل کے لیے خاص قسم کے قضیوں کو کیوں چنا گیا؟ اس کی تفصیل بڑی کتابوں میں آئے گی۔ یہاں صرف یہ بات یاد رکھیں کہ جب

دونوں میں ایک موجبہ ہواور دوسرا سالبہ تو نتیجہ سالبہ ہوگا۔اور اگر ایک کلیہ ہواور دوسرا جزئیہ تو نتیجہ جزئیہ ہوگا۔

وجوہات تسمیۂ اصغر، اکبر، حد اوسط

جو چیز اصغر ہوتی ہے وہ نتیجہ میں آ کر موضوع بنتی ہے اور جو اکبر ہوتی ہے وہ نتیجہ میں آ کر محمول بنتی ہے اور اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ موضوع کے افراد کم ہوتے ہیں اور محمول کے افراد زیادہ ہوتے ہیں۔ جیسے ہر انسان جسم والا ہے۔ اب انسان کے افراد کم ہیں اور جسم کے افراد زیادہ ہیں، اس لیے موضوع کو اصغر اور محمول کو اکبر کہتے ہیں۔ اور [illegible] وسط کو حد اوسط اس لیے کہتے ہیں کہ یہ اصغر اور اکبر کے درمیان واسطہ ہوتی ہے۔

☆التمرین☆

سوال: ذیل میں چند قیاس لکھے جاتے ہیں، ان میں اصغر، اکبر، حد اوسط، صغریٰ، کبریٰ پہچان کر بتاؤ اور نتائج بھی بتاؤ۔

(۱) ہر انسان ناطق ہے اور ہر ناطق جسم ہے۔

جواب: لفظ ''انسان'' اصغر ہے اور ''جسم'' اکبر ہے جبکہ ناطق حد اوسط ہے۔ پہلا قضیہ صغریٰ اور دوسرا قضیہ کبریٰ ہے۔ نتیجہ: ہر انسان جسم ہے۔

(۲) ہر انسان جاندار ہے، اور کوئی جاندار پتھر نہیں۔

جواب: لفظ ''انسان'' اصغر ہے اور ''پتھر'' اکبر ہے جبکہ ''جاندار'' حد اوسط ہے، پہلا قضیہ صغریٰ اور دوسرا اکبریٰ ہے۔ نتیجہ: کوئی انسان پتھر نہیں۔

(۳) بعض جاندار گھوڑے ہیں اور ہر گھوڑا اہنہنانے والا ہے۔

جواب: لفظ ''جاندار'' اصغر ہے اور ''ہنہنانے والا'' اکبر ہے اور ''گھوڑے'' حد اوسط ہے پہلا قضیہ صغریٰ اور دوسرا کبریٰ ہے۔ **نتیجہ:** بعض جاندار ہنہنانے والے ہیں۔

(۴) بعض مسلمان نمازی ہیں اور ہر نمازی اللہ کا پیارا ہے۔

جواب: لفظ ''مسلمان'' اصغر ہے اور ''اللہ کا پیارا'' اکبر ہے جبکہ ''نمازی'' حد اوسط ہے۔ پہلا قضیہ صغریٰ اور دوسرا کبریٰ ہے۔ **نتیجہ:** بعض مسلمان اللہ کے پیارے ہیں۔

(۵) بعض مسلمان داڑھی منڈوانے والے ہیں اور کوئی داڑھی منڈانے والا اللہ کو نہیں بھاتا۔

جواب: لفظ ''مسلمان'' اصغر ہے اور ''اللہ کو نہیں بھاتا'' اکبر ہے اور ''داڑھی منڈوانے والے'' حد اوسط ہے پہلا قضیہ صغریٰ اور دوسرا کبریٰ ہے۔

نتیجہ: بعض مسلمان اللہ کو نہیں بھاتے۔

(٦) ہر نمازی سجدہ کرنے والا ہے اور ہر سجدہ کرنے والا اللہ کا مطیع ہے۔

جواب: لفظ ''نمازی'' اصغر اور ''اللہ کا مطیع'' اکبر ہے جبکہ ''سجدہ کرنیوالا'' حد اوسط ہے۔

نتیجہ: ہر نمازی اللہ کا پیارا ہے۔

﴿الدرس السابع﴾

قیاس کی اقسام

قیاس کی دو اقسام ہیں:

(۱) قیاس استثنائی

(۲) قیاس اقترانی

قیاس استثنائی: قیاس استثنائی اس قیاس کو کہتے ہیں جس میں قضیہ اول شرطیہ اور دوسرا قضیہ حملیہ ہو اور درمیان میں حرف لیکن ہو نیز نتیجہ یا اس کی نقیض بھی اسی قیاس کے اندر ہو جیسے جب سورج نکلے گا تو دن موجود ہوگا لیکن سورج موجود ہے۔ نتیجہ: پس دن موجود ہے۔ یہ وہ مثال ہے جس میں بعینہٖ نتیجہ قیاس کے اندر مذکور ہے۔ دوسری مثال جس میں نتیجے کی نقیض ہوتی ہے جیسے جب سورج نکلے گا تو دن موجود ہوگا۔ لیکن دن موجود نہیں۔ نتیجہ: پس سورج موجود نہیں۔

نتائج کی تفصیل: قیاس استثنائی کے بارے میں گزر چکا ہے کہ یہ قضیوں سے مل کر بنتا ہے۔ (۱) شرطیہ (۲) حملیہ۔ قضیہ شرطیہ کی دو قسمیں ہیں، اول متصلہ، دوم منفصلہ۔ اب ابتداء قیاس استثنائی کی دو شکلیں بنیں (۱) متصلہ اور حملیہ (۲) منفصلہ اور حملیہ

متصلہ اور حملیہ: قضیہ شرطیہ متصلہ کی بھی دو قسمیں ہیں۔ (۱) لزومیہ (۲) اتفاقیہ۔ لیکن قیاس استثنائی میں صرف متصلہ لزومیہ استعمال ہوتا ہے۔ کیونکہ متصلہ اتفاقیہ میں

مقدم وتالی میں سے کوئی ایک دوسرے پر موقوف نہیں ہوتا۔

قضیہ متصلہ دو اجزاء (۱) مقدم (۲) تالی سے مل کر بنتا ہے۔ اور یہ مقدم وتالی بھی حقیقت میں قضایا حملیہ ہی ہوتے ہیں، اس لیے کہ اگر قضیہ متصلہ میں سے ادوات شرط کو نکالا جائے تو باقی دو قضیے حملیے ہی بنتے ہیں جیسے اگر سورج نکلے گا تو دن موجود ہو گا۔ اب یہاں ''اگر'' اور ''تو'' کو حذف کیا جائے تو باقی ''سورج نکلے گا'' اور'' دن موجود ہے'' بچے گا، یہ قضیے حملیے ہیں۔ پھر لیکن کے بعد جو قضیہ حملیہ آتا ہے اس سے پہلے دو قضیوں میں سے کسی ایک کی نفی یا ثبوت ہوتا ہے لہٰذا عقلاً نتیجہ کی چار صورتیں بنتی ہیں۔ جو کہ حسب ذیل ہیں:

(۱) مقدم کی نفی کریں تو نتیجہ تالی کی بھی نفی ہو جیسے اگر سورج نکلے گا تو دن ہو گا لیکن سورج نہیں نکلا۔

نتیجہ: دن نہیں ہے۔

(۲) تالی کی نفی کریں تو نتیجہ مقدم کی بھی نفی ہو۔ جیسے ہم کہیں دن نہیں ہے تو جواب ہو گا، ''لہٰذا دن نہیں ہے۔''

(۳) مقدم کو ثابت کریں تو نتیجہ تالی کا ثبوت ہو جیسے پہلے قضیے کے بارے میں کہیں لیکن سورج نکلا ہے تو جواب ہو گا ''لہٰذا دن موجود ہے۔''

(۴) تالی کو ثابت کریں تو نتیجہ مقدم کا ثبوت ہو، جیسے ہم کہیں لیکن دن موجود ہے تو جواب ہو گا ''لہٰذا سورج موجود ہے۔''

منفصلہ اور حملیہ: قضیہ منفصلہ کی ابتداءً دو قسمیں ہیں (۱) عنادیہ (۲) اتفاقیہ۔ منفصلہ اتفاقیہ قیاس استثنائی میں استعمال نہیں ہوتا کیونکہ یہاں مقدم اور تالی میں

سے کوئی ایک دوسرے پر موقوف نہیں ہوتا۔ باقی رہا منفصلہ اور حملیہ تو عقلاً اس کی بھی چار قسمیں بنتی ہیں:

(۱) مقدم تو ہو تالی نہ ہو (۲) تالی ہو مقدم نہ ہو (۳) مقدم نہ ہو تالی ہو (۴) تالی نہ ہو مقدم ہو۔ پھر منفصلہ کی تین قسمیں ہیں: (۱) حقیقیہ (۲) مانعۃ الجمع (۳) مانعۃ الخلو۔ حقیقیہ میں عناد جانبین کی طرف سے ہوتا ہے۔ مانعۃ الجمع میں عناد صرف جمع کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ اور مانعۃ الخلو میں عناد خالی ہونے میں ہوتا ہے۔ (ان کی تفصیل منطق کی بڑی کتابوں میں آئے گی)

قیاس اقترانی: قیاس اقترانی وہ قیاس ہے جو دو ایسے قضیوں سے مل کر بنا ہو کہ جن کو ماننے سے تیسرے قضیے کو ماننا پڑے۔ درمیان میں حرف لیکن بھی نہ ہو اور نتیجہ یا اس کی نقیض بھی اس میں مذکور نہ ہو بلکہ نتیجے کا ایک جزو مذکور ہو جیسے ہر انسان حیوان ہے اور ہر حیوان جسم والا ہے۔

نتیجہ: ہر انسان جسم والا ہے۔

وجہ تسمیہ قیاس استثنائی و اقترانی: قیاس استثنائی کو قیاس استثنائی اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں حرف استثناء لیکن یا عربی میں لکن ہوتا ہے۔ اور قیاس اقترانی کو اقترانی اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں حرف اقتران ''اور'' یا عربی میں ''وَ'' ہوتا ہے۔

﴿الدرس الثامن﴾

استقراء اور تمثیل کا بیان

استقراء: استقراء کا لغوی معنی ہے ڈھونڈنا، تلاش کرنا، منطق کی اصطلاح میں ''کسی بھی کلی کے بعض افراد میں کوئی خاص وصف مان کر سب میں وہی خیال کرنا استقراء کہلاتا ہے۔'' مثلاً آپ افغانستان گئے، وہاں ایک افغانی سے آپ کی ملاقات ہوئی، آپ نے اسے بہادر اور جنگجو پایا، پھر ایک دوسرے سے ملاقات ہوئی اسے بھی جنگجو اور بہادر پایا غرض کافی سارے لوگوں سے آپ ملے اور ان میں یہ وصف آپ نے دیکھا، چنانچہ آپ نے کہہ دیا کہ افغانی بہادر اور جنگجو ہوتے ہیں۔

قیاسِ استقراء یقین کا فائدہ نہیں دیتا ہاں البتہ ظنِ غالب کا فائدہ دیتا ہے۔ جیسے مذکورہ مثال میں آپ نے حکم لگایا کہ افغانی بہادر و جنگجو ہوتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ آپ کسی ایسے افغانی سے نہ مل سکے ہوں جو بہادر و جنگجو نہ ہو۔

بعض مناطقہ نے استقراء کی دو قسمیں بیان کی ہیں:

(۱) استقراء تام (۲) استقراء ناقص

استقراء تام: استقراء تام یہ ہے کہ کلی کے ہر ہر فرد کو دیکھ کر اور آزما کر آپ نے اس کلی کے بارے فیصلہ کیا جیسے درجہ ثانیہ کے ہر ہر طالب علم کو آپ نے آزمایا اور دیکھا کہ تمام طالب علم محنتی اور ذہین ہیں۔ چنانچہ آپ نے فیصلہ سنادیا کہ ثانیہ کے تمام طلبہ محنتی اور ذہین ہیں۔ یہ استقراء یقین کا فائدہ دیتا ہے کیونکہ یہ فیصلہ تمام

کو آزمانے کے بعد کیا گیا ہے۔

استقراء ناقص: استقراء ناقص یہ ہے کہ کلی کے بعض افراد کو آزما کر تمام کے بارے وہی فیصلہ کر دینا جیسے درجہ ثانیہ کے بعض طلباء کا آپ نے امتحان لیا آپ نے انہیں اچھی استعداد والا پایا تو آپ نے فیصلہ سنا دیا کہ درجہ ثانیہ کے تمام طلبہ اچھی استعداد والے ہیں۔ یہ استقراء یقین کا فائدہ نہیں دیتا۔ ہو سکتا ہے کہ بعض ایسے طلبہ جن کا آپ نے امتحان نہ لیا ہو، ان کی استعداد اچھی نہ ہو۔

تمثیل: تمثیل کا لغوی معنی ہے مشابہت دینا۔ منطق کی اصطلاح میں تمثیل کی تعریف یہ ہے کہ ''ایک چیز کو دوسری چیز کی طرح اس لیے بتلانا تا کہ دوسری چیز پر جو حکم ہے وہ اول پر بھی لگ سکے۔ مثلاً آپ کہتے ہیں بھنگ مثل شراب کے ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ جیسے شراب کے اندر نشہ کی وجہ سے حرمت ہے اسی طرح بھنگ بھی حرام ہے کیونکہ اس کے اندر بھی نشہ پایا جاتا ہے۔ اسی تمثیل کو منطق کی اصطلاح میں قیاس کہتے ہیں۔

تمثیل کے اندر حسب ذیل چار چیزیں ہوتی ہیں۔

(۱) جس چیز کو بتلایا (۲) جس چیز کی طرح بتلایا (۳) کس چیز میں بتلایا؟ (۴) کیوں بتلایا؟

پہلی چیز کو مقیس کہتے ہیں اور دوسری چیز کو مقیس علیہ جیسے بھنگ کو بتلایا یہ مقیس ہوا شراب کی طرح کا بتلایا شراب مقیس علیہ ہوا۔ تیسری چیز کو حکم کہتے ہیں اور چوتھی چیز کو علت کہتے ہیں۔ بھنگ میں حرمت کے ہونے کو بتلایا یہ حکم ہوا اور حرمت کا ہونا نشہ کی وجہ سے بتلایا یہ علت ہے۔

فائدہ: تمثیل سے بھی یقین کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا کیونکہ ممکن ہے کہ وہ وصف جو حرمت کا سبب آپ نے تلاش کیا واقعہ میں وہ سبب نہ ہو بلکہ کوئی اور ہو۔ مثلاً شراب میں نشہ کو آپ نے حرمت کی وجہ قرار دیا اور یہی بات بھنگ کے اندر بھی پائی۔ ہوسکتا ہے کہ شراب نشہ کے علاوہ کسی اور وجہ سے حرام ہوئی ہو تو اس صورت میں یہ علت بھنگ میں منتقل کر کے حرمت کا حکم لگانا درست نہ ہوگا۔

الدرس التاسع

دلیل لمی اور انی

تعریفات: دلیل لمی اس قیاس کو کہتے ہیں کہ جس کے اندر حد اوسط ظاہری طور پر اور حقیقت میں بھی علت بن رہی ہو۔

دلیل انی وہ قیاس ہے کہ جس میں حد اوسط ظاہراً آپ کے قیاس کے مطابق تو علت بن رہی ہو لیکن حقیقت میں معاملہ ویسا نہ ہو۔

دلیل انی اور لمی میں فرق

(۱) دونوں کی مثال مع فرق: جیسے آپ نے قیاس کیا کہ زمین دھوپ والی ہو رہی ہے اور ہر دھوپ والی شے روشن ہوتی ہے۔

نتیجہ: زمین روشن ہے۔ یہ دلیل لمی ہے۔ کیونکہ حد اوسط ''دھوپ والی'' ظاہراً قیاس کے اندر بھی علت واقع ہو رہی ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جس چیز پر سورج کی روشنی پڑے وہ ضرور روشن ہوتی ہے۔ لیکن اگر آپ نے یہ قیاس کیا کہ زمین روشن ہے اور ہر روشن چیز دھوپ والی ہوتی ہے۔

نتیجہ: زمین دھوپ والی ہے تو یہ دلیل انی ہے اس لیے کہ اس میں نتیجہ کے لیے ظاہری طور پر تو ''روشن ہونا'' سبب اور علت ہے لیکن حقیقت میں کوئی چیز روشن ہونے کے وجہ سے دھوپ والی نہیں ہوتی۔ اگر یہ بات ہوتی تو رات میں جب بجلی کی

روشنی سے زمین روشن ہوتی ہے تو اس وقت بھی زمین دھوپ والی ہونی چاہیے تھی حالانکہ ایسا نہیں۔

(۲) دوسرا فرق دلیل لمی اور انی میں یہ ہے کہ اگر ذہن علت سے معلول کی طرف جائے تو دلیل لمی ہے جیسے ''دھوپ والی'' ہونا علت ہے اور ''روشن ہونا'' معلول ہے۔ اب اس علت کو ہم نے حد اوسط بنایا اور اس سے معلول تک پہنچے۔ اور اگر ذہن معلول سے علت کی طرف پھیرا جائے تو یہ دلیل انی ہے جیسے دوسری صورت میں ''روشن ہونے'' سے ذہن کو ''دھوپ والی ہونا'' کی طرف پھیرا جو کہ علت ہے۔

اسی طرح مخلوقات کو دیکھ کر ہمارے ذہن کا خالق کی طرف جانا دلیل انی ہے بعینہٖ گھر میں دھوپ دیکھ کر یہ سمجھنا کہ سورج نکل چکا ہے دلیل انی ہے لیکن سورج کو دیکھ کر یہ کہنا کہ دھوپ نکل آئی ہے یہ دلیل لمی ہے۔

فائدہ: دلیل انی سے بات کو ثابت کرنا استدلال کہلاتا ہے اور دلیل لمی سے بات ثابت کرنا تعلیل کہلاتا ہے۔

وجہ تسمیہ: لِم کا لغوی معنیٰ ہے علت کیونکہ دلیل لمی میں حد اوسط حقیقت اور خارج کے لحاظ سے علت بنتی ہے اس لیے اسے دلیل لمی کہتے ہیں۔

اور اِن کا لغوی معنیٰ ہے ثبوت کیونکہ دلیل انی میں اصغر کے لیے اکبر کے پائے جانے کا ثبوت ہوتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ حد اوسط حقیقت میں علت نہیں ہوتی۔ لیکن جہاں تک نفس ثبوت کی بات ہے وہ تو ہے ہی۔

﴿الدرس العاشر﴾

مادۂ قیاس کا بیان

قیاس کے اندر دو چیزیں ہوتی ہیں:

(۱) صورۃِ قیاس جس کا دوسرا نام شکل ہے (۲) مادۂ قیاس

صورۃِ قیاس کی وضاحت پہلے ہو چکی، اب مادۂ قیاس کا بیان ہے۔ صورۃ اور مادہ میں کیا فرق ہے اس کا فرق ایک عام مثال سے سمجھا جا سکتا ہے۔ جب آپ کسی چیز کو بناتے ہیں تو بنانے سے پہلے دو چیزیں آپ کے ذہن میں آتی ہیں (۱) وہ چیز کیسی ہونی چاہیے (۲) کس چیز سے بنے گی۔ اول کا نام صورۃ ہے اور ثانی کا نام مادہ۔ مثلاً آپ ایک کرسی بنانا چاہتے ہیں تو آپ کے ذہن میں آتا ہے کہ یہ کرسی کس طرح کی ہونی چاہیے۔ اس کی چار ٹانگیں ہوں، دو بازو ہوں وغیرہ۔ یہ اس کی صورۃ ہے اور یہ کرسی لکڑی سے تیار ہوگی تو لکڑی اس کرسی کا مادہ ہوا۔

صورۃ کے اعتبار سے قیاس کی چار شکلیں ہیں جو بیان ہو چکیں۔ مادہ کے اعتبار سے قیاس کی پانچ قسمیں ہیں۔

مادہ: قیاس کا مادہ وہ قضایا ہیں جن سے مل کر وہ قیاس تیار ہوتا ہے۔

اقسام قیاس باعتبار مادہ: قیاس ہمیشہ ایسے قضیوں سے مل کر بنتا ہے جو تصدیق ہوں، ایسے قضایا جو تصور پر مشتمل ہوں قیاس میں استعمال نہیں ہو سکتے۔ مثلاً قضیہ انشائیہ یا ایسا قضیہ جس میں شک ہو جیسے زید آیا ہوگا۔

تصدیق کی چار قسمیں

(۱) یقین: کسی بات کا ایسا پختہ علم جسے توڑا نہ جا سکے جیسے اللہ کے ایک ہونے کا علم۔

(۲) تقلید: کسی بات کا ایسا پختہ علم جسے توڑا جا سکے جیسے کسی مرید کا اپنے پیر کے بارے میں باکمال ہونے کا علم و عقیدت۔ فی الحال تو عقیدت پختہ ہے لیکن تڑوائی جا سکتی ہے۔

(۳) ظن: کسی چیز کا غالب گمان کے ساتھ علم اور دوسری جانب کا بھی کچھ نہ کچھ احتمال جیسے ''اکرم گھر میں ہے'' یہ جملہ اس وقت ظن بنے گا جب غالب گمان گھر میں ہونے کا ہو اور گھر میں نہ ہونے احتمال بھی ہو۔

(۴) جہل مرکب: کسی بات کا علم تو پختہ ہو جسے توڑا بھی نہ جا سکے لیکن حقیقت میں وہ علم غلط ہو، جیسے کوئی آدمی اپنے آپ کو عالم سمجھے اور حقیقت میں وہ عالم نہ ہو۔

تو ان سب سے اعلیٰ تصدیق یقین ہے، اس سے قیاس برہانی تیار ہوتا ہے۔ اور باقی اقسام سے قیاس جدلی، خطابی، شعری، اور سفسطی تیار ہوتے ہیں۔

قیاس برہانی: قیاس برہانی وہ قیاس ہے جو ایسے قضایا پر مشتمل ہو جو یقینی ہوں۔ یہ قضیے بدیہی بھی ہو سکتے ہیں اور نظری بھی۔ نظری کی مثال جیسے محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ (یہ قضیہ نظری ہے۔) اور اللہ کا ہر رسول واجب الاطاعت ہے۔ (یہ قضیہ بھی نظری ہے)

نتیجہ: محمد ﷺ واجب الاطاعت ہیں۔

قیاسِ برہانی کے وہ قضیے جو بدیہی ہیں ان کی چھ اقسام ہیں:

(۱) اولیات: ایسے قضایا کہ جن کا موضوع، محمول ذہن میں آتے ہی فوراً عقل اس حکم کو مان لے جو موضوع محمول کے درمیان ہے جیسے کل جزء سے بڑا ہے۔ باپ بیٹے سے بڑا ہوتا ہے۔ وغیرہ یہ ایسی باتیں ہیں کہ ان کو سنتے ہیں عقل تسلیم کر لیتی ہے۔

(۲) فطریات: ایسے قضایا کہ جن کے اندر پائے جانے والے حکم کو عقل فوراً مان بھی لے اور اس حکم کی دلیل بھی فوراً ذہن میں آجائے جیسے کوئی کہے چار جفت ہے اب یہاں چار پر جو جفت ہونے کا حکم لگایا گیا ہے عقل اس کو فوراً تسلیم کر لیتی ہے اور اس کے ساتھ یہ بات بھی فوراً ذہن میں آتی ہے کہ چونکہ یہ دو پر برابر تقسیم ہوتا ہے لہٰذا یہ جفت ہے۔

اولیات اور فطریات میں فرق: اولیات اور فطریات میں فرق یہ ہے کہ اولیات میں ذہن فقط اس حکم کو تصوری طور پر تسلیم کرتا ہے لیکن اس کی دلیل ذہن سے نہیں گزرتی، اگرچہ ذہن میں موجود ہوتی ہے جیسے کل جزء سے بڑا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ جزء کل کا ایک حصہ ہے اور کسی چیز کا کوئی حصہ ہمیشہ اس چیز سے چھوٹا ہوتا ہے۔ لیکن قضیے کے سنتے وقت یہ دلیل آپ نے نہیں سوچی بخلاف فطریات کے کہ وہاں دلیل بھی ذہن سے گزرتی ہے جیسا کہ اوپر فطریات کی مثال میں گزر چکا۔

(۳) حدسیات: ایسے قضایا کا نام ہے جن کے مضمون پر یقین ایسی دلیل سے ہو جو یکدم ذہن میں آجائے۔

علم منطق کے میں دو اصطلاحیں بالعموم استعمال ہوتی ہیں۔ (۱) فکر (۲) حدس۔ فکر کا معنی ہے سوچنا، سمجھنا اور حدس کا معنی ہے بغیر سوچے سمجھے ایک دم پہنچ

جانا۔ جیسے فکر کے دو درجے ہیں۔ (۱) انتخاب، (۲) ترتیب اسی طرح حدس کے بھی یہی دو درجے ہیں لیکن فرق سوچنے اور نہ سوچنے کا ہے جیسے جاء زید کی ترکیب آپ سے پوچھی گئی اگر آپ نے فوراً بتادیا کہ جاء فعل اور زید اس کا فاعل ہے تو یہ حدس ہے اور اگر سوچ کر بتایا تو یہ فکر ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے علم نحو کے قاعدے ابتداءً سمجھائے اور یاد کرائے جاتے ہیں لیکن جب اچھی طرح یاد ہو جائیں تو پھر فوراً جواب آجاتا ہے۔

(۴) مشاہدات: مشاہدات ایسے قضایا کو کہتے ہیں کہ جن میں حکم حس اور مشاہدہ کے ذریعہ لگایا جائے۔ اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) حسیات (۲) وجدانیات

(۱) حسیات: اگر حکم حواس ظاہرہ کے ذریعے سے لگایا جائے تو اسے حسیات کہتے ہیں جیسے آم میٹھا ہے لیموں نمکین ہے وغیرہ۔ یہ ایسے قضیے ہیں کہ ان کا ادراک ہم نے ظاہری حواس میں سے ایک حاسہ (جس کا نام زبان ہے) کے ذریعے کیا اور پھر حکم لگا دیا۔

(۲) وجدانیات: اگر حکم حواسِ باطنہ کے ذریعے سے لگایا جائے تو اسے وجدانیات کہتے ہیں جیسے احسان بہادر ہے، احسن ذہین ہے وغیرہ۔ ان چیزوں کا ادراک عقل میں موجود قوۃِ وہمیہ کے ذریعے سے ہوتا ہے، نہ سونگھنے سے نہ چکھنے سے اور نہ بولنے سننے سے۔

(۵) تجربیات: ایسے قضایا کو کہتے ہیں جن کا علم بار بار تجربہ سے حاصل ہو اور پھر اس علم کے مطابق حکم لگایا جائے مثلاً آپ نے کہا کہ کیلا باعث قبض ہے لیکن

یہ حکم لگانے سے پہلے آپ نے بارہا آزمایا کہ جب بھی کیلا کھایا قبض کی شکایت ہوگئی تو آپ نے حکم لگا دیا کہ کیلا قابض ہے۔

(۶) متواترات: ایسے قضایا کو کہتے ہیں کہ جن کے یقینی ہونے کا حکم ایسی جماعت کے کہنے پر لگایا جائے کہ اس جماعت کا جھوٹ پر جمع ہونا محال ہو جیسے روضۃ النبی مدینہ منورہ میں ہے، اب اس بات کی خبر ہزارہا حاجیوں نے دی لہٰذا یہ متواترات میں سے ہے، یہ اصطلاح علم اصول حدیث کے اندر بھی استعمال ہوتی ہے۔

(۶) قیاس جدلی: جدل کا لغوی معنی ہے بحث کرنا۔ قیاس جدلی ایسے قیاس کو کہتے ہیں جو بحث اور مناظرے میں استعمال کیا جاتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں:
(۱) مشہورہ (۲) مسلمہ

مشہورہ: قضایا مشہورہ وہ قضایا ہیں جو لوگوں کے درمیان مشہور ہوں، پھر آگے عام ہے کہ ساری دنیا میں مشہور ہوں یا کسی مخصوص فرقہ کے ہاں مشہور ہوں جیسے سچ بولنا اچھی بات ہے، یہ قضیہ پوری دنیا میں مشہور ہے اور گائے کا کھانا حرام ہے یہ قضیہ ہندؤوں کے ہاں مشہور ہے۔

فائدہ: قضایا مشہورہ کا سچا ہونا ضروری نہیں بلکہ جھوٹے بھی ہو سکتے ہیں۔ لیکن قیاس کے اندر آپ اسے استعمال کر کے مخاطب پر برتری حاصل کر سکتے ہیں۔

مسلمات: مسلمات وہ قضایا ہیں جن کو تسلیم کیا گیا ہو، یہ تسلیم کرنا بھی عام ہے، ایک شخص نے تسلیم کیا ہو یا ایک جماعت نے، اگر یہ صرف ایک ہی شخص نے تسلیم کیا ہے جس سے آپ کی بحث ہے تو بھی آپ اسے بطور دلیل اس کے سامنے پیش کر سکتے ہیں جیسے کوئی شخص یہ بات مانتا ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے علماء انتہائی اعلیٰ

استعداد والے ہوتے ہیں اور وہ یہ بھی مانتا ہے کہ فلاں عالم دارالعلوم دیوبند کے فاضل ہیں تو آپ اس سے یہ بات منوا سکتے ہیں کہ فلاں عالم انتہائی اعلیٰ استعداد والے ہیں۔

اسی طرح اگر ایک جماعت ان قضایا کو تسلیم کرے تو انہی قضایا کو اس جماعت کے سامنے پیش کر سکتے ہیں مثلاً عیسائی اس بات کو مانتے ہیں کہ اولاد والدین کی جنس سے ہوتی ہے اور اس بات کو بھی مانتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام اور جنس سے ہیں اور اللہ تعالیٰ دوسری جنس یعنی عیسیٰ علیہ السلام تو ممکن الوجود اور مخلوق جبکہ اللہ تعالیٰ واجب الوجود اور خالق۔ تو اس طرح آپ عیسائیوں سے یہ بات منوا سکتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے نہیں ہیں۔

قیاس جدلی کے مقاصد

قیاس جدلی کے بہت سے فوائد و مقاصد ہیں جن میں سے چند اہم درج ذیل ہیں:

(۱) اپنے مقابل کو شکست دینا اور اس کے باطل عقائد کو توڑنا۔

(۲) اپنے عقائد کی حفاظت کرنا کیونکہ اگر آپ اس کے دلائل کا جواب نہ دے سکے تو اس سے متاثر ہوں گے نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ اپنے عقائد میں پختہ نظر نہ رہیں گے۔

(۳) اپنے ہم عقیدہ لوگوں کے نظریات کو پختہ کرنا کیونکہ قیاس جدلی کے ذریعے جو دلیلیں تیار ہوتی ہیں اسے عام سطح کا فہم رکھنے والا آدمی بھی سمجھ جاتا ہے۔

قیاس خطابی

قیاس خطابی وہ قیاس ہے کہ جس کے مقدمات سے ظن کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ قیاس خطابی کی بھی دو قسمیں ہیں:

(۱) مقبولات (۲) مظنونات

(۱) مقبولات: مقبولات قیاس خطابی کی وہ قسم ہے کہ جس کے مقدمات اکابر اور بزرگانِ دین کی باتوں پر مشتمل ہوتے ہیں چونکہ بزرگوں کے تقویٰ اور ان کی کرامات کی وجہ سے حسن ظن ہو جاتا ہے اس لیے ان کی کہی باتیں قبول کر لی جاتی ہیں کیونکہ ان کی باتوں میں غالب گمان صحیح ہونے کا ہوتا ہے۔ اس لیے لوگ ان کی باتوں کو قابل عمل سمجھتے ہیں۔

(۲) مظنونات: مظنونات وہ باتیں ہیں کہ جن کے بارے میں عقل غالبی طور پر فیصلہ کرے نہ کہ قطعی طور پر۔ یعنی اکثر طور پر ایسا ہوتا ہے کہ دیکھ کر عقل نے اس کا فیصلہ کر لیا حالانکہ واقعہ اس کے مخالف بھی ہو سکتا ہے۔ مظنونات کی مثال وہ محاورات اور ضرب الامثال ہیں جو مختلف زبانوں میں رائج ہیں۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ لمبے آدمی میں عقل کم ہوتی ہے اور یہ لمبا آدمی ہے لہٰذا اس میں عقل کم ہے۔ اسی طرح عام لوگ کہتے ہیں کہ زراعت نفع کی چیز ہے اور ہر نفع کی شے قابل اختیار ہے، نتیجہ یہ ہے کہ زراعت قابل اختیار ہے۔

قیاس خطابی کے مقاصد

قیاس خطابی کے اہم مقاصد درج ذیل ہیں:

(۱) مقبولات کے ذریعے سے عوام الناس کی ذہن سازی کی جاتی ہے اور انہیں جینے کا ڈھنگ سکھایا جاتا ہے جیسے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات پڑھے جاتے ہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اقوال نقل کیے جاتے ہیں مثلاً حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ''دنیا والے سوئے ہوئے ہیں اور سویا ہوا خواب ہی دیکھ سکتا ہے۔'' اس قول سے دنیا کی بے ثباتی کا علم ہوتا ہے۔

(۲) مظنونات اپنانے سے بندہ بہت سی نفع بخش چیزیں اختیار کر لیتا ہے اور ضرر رساں چیزوں سے بچ جاتا ہے۔

قیاس شعری

قیاس شعری اس قیاس کو کہتے ہیں جو خیالی باتوں سے مل کر بنا ہو، یہ خیال کی سوچی ہوئی باتیں سچی بھی ہو سکتی ہیں اور جھوٹی بھی لہٰذا یہ قیاس یقین کا فائدہ نہیں دیتا۔ اس قیاس کو شعراء حضرات اختیار کرتے ہیں اور ان کا مقصد اس سے لوگوں کی طبیعتوں پر مختلف اثرات چھوڑنا ہوتا ہے۔ یعنی ان کی باتیں سن کر لوگوں میں کسی چیز کا شوق پیدا ہوتا ہے یا کسی چیز سے نفرت ہوتی ہے مثلاً کسی کے بارے میں کہا جائے کہ ''نورانی چہرہ، آنکھیں نرگسی اور زبان پر ہر دم ذکر الٰہی'' تو اس سے اس آدمی کی محبت دل میں آئے گی اور اگر کہا جائے کہ ''کالا چہرہ، دھنسی آنکھیں اور شیطان کا ہے شیدائی'' تو اس سے اس شخص کے بارے میں نفرت پیدا ہوگی۔

قیاس سفسطی

سفسطی اصل میں سفسطہ کی طرف منسوب ہے یہ ایک یونانی لفظ ہے جو ''سوف''

اور ''اسطا'' کے ملانے سے بنا ہے ''سوف'' کا معنی ہے ''حکمت'' اور ''اسطا'' کا معنی ہے ''ملمع سازی''، تو ''سفسطی'' کا معنی ہوا ملمع سازی والی حکمت۔

قیاس سفسطی وہ قیاس ہے کہ جس کے قضیے وہمی اور جھوٹے ہوں لیکن ظاہراً ان کے سچ ہونے کا دھوکا لگتا ہو۔ جیسے گھوڑے کی تصویر دیکھ کر کہا جائے یہ گھوڑا ہے اور ہر گھوڑا ہنہناتا ہے۔

نتیجہ: یہ ہنہناتا ہے۔ حقیقت میں یہ قضیہ جھوٹا ہے لیکن غلطی اس وجہ سے لگی کہ گھوڑے کا لفظ گھوڑے پر بھی بولا جاتا ہے اور اس کی تصویر پر بھی۔ اگر صراحتاً کہہ دیا جاتا کہ یہ گھوڑے کی تصویر ہے تو پھر اس کے لیے ہنہنانا ثابت نہ کر سکتے۔

قیاس سفسطی کے مقاصد

قیاس سفسطی کا مقصد ہوتا ہے کہ بات کو چکنا چپڑا بنا کر مخاطب کو دھوکا دیا جائے اس لیے اس قیاس کو جاننا بہت ضروری ہے تاکہ آدمی دوسروں سے دھوکا نہ کھائے۔

تَمَّ هٰذَا بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِعَوْنِهٖ

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ عَلٰى ذَالِکَ اَلْفَ اَلْفَ مَرَّةً

رَبَّنَاتَقَبَّلْ مِنَّااِنَّکَ أَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْم

تمت بالخیر